تعلیم الانتظام

مؤلفہ

خان بہادر شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ فیلو الہ آباد

یونیورسٹی

سنہ ۱۸۹۲ء

مطبع چشمہ فیض دہلی میں باہتمام منشی محمد عطاء اللہ مطبوع ہوئی

پہلی دفعہ ۵۵۰ جلد

قیمت فی جلد ۴ر

تعلیم الانتظام

باب اوّل

محنت

(۱) رکھنا نہیں - کرنا سلطنت ہی -

(۲) حضرت سلیمانؑ کا قول ہی کہ ہر محنت منفعت رکھتی ہی - قومی دولت مندی - قومی بہبودی - قومی کامرانی کا سرمایہ وہ محنت ہی جس سے کچھ پیدا ہوتا ہی -

(۳) کسانوں کی زراعت سے اور صناع کاریگروں کی محنت و ہنر سے اور سوداگروں کی آمد و رفت و خوف و خطر سے کل مخلوق کی احتیاجوں کو خدا رفع کرتا ہی - کاہل آدمی مردہ کی مانند ہوتا ہے - جو دنیا کی ضروریات اور تغیرات سے کچھ سروکار نہیں رکھتا - خالی بیٹھا وقت کو کاٹتا ہے - اور زمین کے بوجھ کو بڑھاتا ہے - جب وقت آتا ہے تو کیڑے مکوڑوں اور جھینگر کی طرح مر جاتا ہی اور اس اثنا میں کوئی اچھا کام نہیں کرتا -

شائستگی و تہذیب کے ساتھ کفایت شعاری کا آغاز ہوتا ہی - جب آدمی کو یہ امر ضروری معلوم ہوتا ہی کہ جیسا آج کی احتیاجوں کے لئے انصرام کرنا واجب ہے ایسا ہی کل کی ضروریات کے لئے کفایت شعاری کا آغاز ہوتا ہی -

حقیقت میں کفایت شعاری ذاتی انتظام کا نام ہی جسمیں انتظام خانہ داری اور کنبہ کا بندوبست داخل ہی - ذاتی انتظام کا مآل شخصی بہبودی و بہروزی ہوتا ہی - اور ملکی کفایت شعاری کا موضوع یہ ہی کہ قومی دولت کیونکر پیدا ہوتی ہی اور کس طرح بڑھتی ہے - شخصی اور قومی دولت کی اصل ایک ہی ہے + دولت محنت سے جمع ہوتی ہی - خرچ سے بچانے اور جمع کرنے سے

کھاتے تھے پھر انہیں کھوکھلے درختوں سے کشتیاں بننے لگیں جنہیں آکو لوہے کی کیلوں سے جڑ دیتے تھے
بعد ازاں اُن کشتیوں سے بہتر کشتیاں او طرح طرح کے مرکب آبی جہاز وغیرہ تیار ہونے لگے یہانتک
کہ ہوائی جہاز بنا جس نے ساری دنیا میں تہذیب و شائستگی کا دروازہ کھول دیا اور نقل مکان
کے لئے آدمیوں کے واسطے راستے بتلا دئے۔ ہمیشہ آدمی اپنی ناشائستگی کی حالت میں رہتے
اگر وہ اپنے سے پہلے آدمیوں کی مفید محنت سے مستفید نہ ہوں۔ سابقین نے زمین کو بنا
سنوار کر کھیتی کی جس سے خوراک آدمیوں کی پیدا ہونے لگی انھوں ہی نے اوزار اور
ترکیبیں ایجاد کیں جنکے فائدہ مند نتیجے ہم حاصل کر رہے ہیں۔ انھوں ہی نے علوم و فنون
ایجاد کئے کہ ہم اُن کی محنت کے مفید ثمروں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔۔۔

ساری فطرت دیکھو ہم کو بتلاتی ہے کہ دنیا میں کوئی اچھی چیز جو ایک دفعہ پیدا کی گئی وہ
کبھی بالکل انگاں نہیں گئی زندوں کو اُن گذشتہ مُردوں کی یاد دلائی جاتی ہے جو
بیش کام کر گئے ہیں اور کامیاب گئے ہیں قدیم شہروں کے کھنڈروں میں عمارت سنگتراشی
دستکاریاں صنعت کاریاں ہنرمندیاں ابتک ہمارے دیکھنے کے لئے موجود ہیں۔
انتظام کھیتی یوں ہی جاری ہے کہ انسان کی محنت بالکل برباد نہیں جاتی اسکے بعض فائدہ مند نتیجے
باقی رہتے ہیں جو قوم اور نسل آدم کو فائدہ پہنچاتے ہیں ہم کو باپ کے ورثہ میں جو نقد مال ہاتھ
لگتا ہے وہ ہمارے ورثہ کی جمع پونجی کی نہایت خفیف رقم ہے بڑی بیش قیمت وہ میراث ہم ہمارے ورثہ
کی تو یہ پچھلے ہم کو محنت ہنر آبائی کے فائدہ مند نتایج وراثتاً ملتے ہیں یہ وراثت سیکھنے سے منتقل نہیں
ہوتی بلکہ سکھانے اور مثال سے ایک نسل دوسری نسل کو سکھاتی ہے اسواسطے فن و صناعت
آلات و ادوات کے استعمال کا علم ہمیشہ قائم رہتا ہے یوں پہلی نسلوں کی محنتیں و کوششیں
پچھلی نسل میں متواتر منتقل ہوتی رہتی ہیں اور انکا ایک سلسلہ جاری رہتا ہے جو شائستگی و
تہذیب کے لئے نہایت بکار آمد ضروری ہے۔ باپ دادا کی محنتوں کے فائدہ مند ثمرات کو کا
ہاتھ آنا تو ہمارا موروثی حق ہے مگر ان سے متمتع جب تک ہم نہیں ہو سکتے کہ کام کرنے پر تیار
نہ ہوں اسواسطے محنت کرنی لازم ہے خواہ وہ دماغی ہو یا جسمانی ہاتھ پاؤں کی ہو کام کرے
بغیر زندگی کا ایک اخلاقی [illegible] تو پیدا ہوا شائستگی ہے ساری مراد کام کرنے [illegible]

انھیں کو حیاتِ دوام ملتی ہے۔

اس قانونِ محنت کے ماتحت رہنے کی شکایت میں بہت سے آدمی بڑبڑایا کرتے ہیں وہ ذرا اس بات کو نہیں سوچتے کہ اس قانون کی اطاعت خدا کی مرضی کے سوا ہمارے قوائے عقلیہ کے انکشاف کے واسطے اور ہماری طبیعتوں کے انبساط کے لئے ضروری ہے۔ کل مفلوک الحال آدمیوں میں سب سے بدتر حال کاہل کا ہوتا ہے جس کی زندگی بالکل بنجر ہوتی ہے جس میں کوئی فائدہ مند ثمر نہیں ہوتا سوا اپنے حواس پرستی کے وہ کوئی کام نہیں کرتا ایسے کاہل آدمی بہت شاکی نہایت مفلوک الحال سے بیزار ہوتے ہیں اور ایسی کاہلی کی حالت میں پڑے رہتے ہیں کہ جس سے نہ کچھ اپنے تئیں فائدہ پہنچے نہ دوسرے کو وہ فقط زمین کا بوجھ ہوتے ہیں جن کے ہٹنے کا کسی کو افسوس نہیں ہوتا۔ سب کہتے ہیں خس کم جہاں پاک۔ دنیا کو کسی اور نے ایسا آگے نہیں بڑھایا جیسا ان آدمیوں نے کہ محنت کو بالضرورۃ یا بالاختیار قبول کیا ہے دنیا کی ترقی۔ شائستگی۔ دولت مندی۔ اقبال مندی۔ یہ سب محنت پر موقوف ہیں جو توجہ دلی کار پردازی میں کیجائے۔ خواہ وہ جو کی بال کا پیدا کرنا ہو۔ یا دخانی جہاز کا بنانا۔ یا گلوبند کا کاٹنا۔ یا سنگتراشی ایسی ہو کہ جس پر دنیا فریفتہ ہو۔

اس طرح محنت سے مطالعے مشاہدے تحقیق و تدقیق و سخت توجہ دلی کے ساتھ عرق ریزی نے نفیس و لطیف خیالات پیدا ہوتے ہیں بغیر سخت محنت و جانفشانی کے کوئی نظم ایسی تصنیف نہیں ہو سکتی جو آئندہ زمانہ میں زندہ اور مشہور رہے دنیا کے کل کارہائے عظیم متواتر کوششوں اور بہت سی ناکامیوں کے نتیجے ہوتے ہیں ایک نسل ایک کام کو شروع کرتی ہے دوسری اس کو جاری کرتی ہے۔ حال کی نسل ماضی کی نسل کے ساتھ مشارکت کام میں کرتی ہے۔ افراد بنی آدم اپنے کاموں کو ناقص محنت سے شروع کرتے ہیں مگر استقلال و ثابت قدمی سے اس میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

محنت کی تاریخ اپنی توضیحات میں کیا ہی خصلت رکھتی ہے۔ بہت غریب آدمی محنت سے عزت پا سکتے ہیں گو ممتاز و سرفراز نہ ہوں صناعت و علم ادب علوم و فنون میں جو نامور گذرے ہیں وہ محنتی مزدور تھے۔ [illegible] کی کل ایک جولاہے نے چرخہ۔ [illegible]

صناعت اور آلات کے کاموں میں ہر درجہ کے کاریگر کچھ نہ کچھ اضافہ کرکے اسکو بڑھاتے رہتے ہیں لیکن
پیشہ وروں سے مراد فقط انھیں آدمیوں سے نہیں جو اپنے رگ پٹھوں کے بل ہی کام کرتے ہیں یہ تو
گھوڑا بھی کرسکتا ہی بلکہ ان آدمیوں سے بھی مراد ہے جو اپنے دماغ سے محنت کرتے ہیں اور ان کے
اعلی درجہ کے قوا ان کے جسم سے خدمت لیتے ہیں مصور جو تصویر کھینچتا ہی مصنف جو کتاب
تصنیف کرتا ہے قانون بناتا ہی نظم لکھتا ہی وہ اعلی درجہ کا کام کرنیوالا ہی گو وہ نوع بشر
کی جسمانی پرورش کے لئے ایسا ضروری نہیں جیسا کہ حلوائی اور گڈریہ مگر روحانی غذا کے واسطے وہ
پرشور ہے —
ابتک ہم نے اوپر محنت کے بکار آمد اور ضروری ہونے کے باب میں بہت کچھ لکھا ہی اب ہم یہ بتلاتے
ہیں کہ محنت کے فائدوں کو اپنے کام میں کس طرح لاتے ہیں آدمی تو ناشائستہ و غیر مہذب پیدا
ہوتا۔ اگر اسکے ماں باپ علم و ہنر و صناعت و ایجاد و عقلی تربیت کی بچت جمع کرکے اسکے لئے نہ چھوڑ
جاتے + یہ دنیا کی بچتیں ہی ہیں جنھوں نے اسکو شائستہ و مہذب بنا
رکھا ہی محنت کے نتیجہ سے بچتیں پیدا ہوتی ہیں محنتی آدمی جو کچھ بچا لیتے ہیں وہی تہذیب کے نتائج کو
جمع کرتے ہیں ہم نے اوپر لکھا ہی کہ کفایت شعاری سے تہذیب کا آغاز ہوتا ہے اب ہم کہتے
ہیں کہ کفایت شعاری ہی سے تہذیب پیدا ہوتی ہی۔ کفایت شعاری سے سرمایہ پیدا ہوتا ہی
اور سرمایہ محنت کے نتیجہ کو بچا رکھنا ہی۔ سرمایہ دار وہی شخص ہوتا ہی کہ جو کام کرکے پیدا کرتا ہی وہ سب کا
سب صرف نہیں کرتا ہے —
آدمی کفایت شعاری کو ساتھ لے کر نہیں پیدا ہوتا ہی بلکہ اُس کو اکتساب سے حاصل کرتا ہی وہ بھی
اسکے اخلاق کا ایک اکتسابی اُصول ہی اسمیں انسان کو نفسانیت و ہواء نفسانی کا دبانا
پڑتا ہی۔ حال کی خوشیوں کو آئندہ فائدہ کے خیال سے ترک کرنا ہوتا ہے۔ عقل و مآل اندیشی و
ہوشیاری سے قواء بہیمیہ کو مغلوب کرنا ہوتا ہی۔ کفایت شعار آج ہی کے گذارہ کے لئے کام نہیں کرتا
بلکہ کل کے گذارہ کے لئے بھی۔ سرمایہ جو وہ بچاتا ہی اسکو آیندہ کے کاموں کے انصرام کے لئے ذخیرہ بناتا
عقل انسان کو بتاتی ہی کہ آئندہ کا خیال رکھو اور اسکے واسطے سامان بہم پہنچاؤ۔ اس لئے آیندہ کے
حوائج کے لئے تدابیر کرنی انسان پر فرض ہیں ع۔ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

یہ سارے نتیجے کفایت شعاری اور روپیہ کی خوش انتظامی ہی اور فائدہ مند کاموں میں روپیہ لگانے سے حاصل ہوتے ہیں مسرف آدمی تو دنیا کی ترقی میں کوئی اپنا حصہ نہیں لگاتا اور جو کچھ کماتا ہی سو کھا لیتا ہی کسی دوسرے کی مدد نہیں کرتا ہی۔ خواہ کتنا ہی روپیہ کمائیں ایک ہی حال میں رہتے ہیں کسی بات میں کچھ سربلند نہیں ہوتے۔ جو اپنے کسی سرمایہ کو کفایت شعاری سے نہیں جمع کرتا وہ اوروں کی امداد کا محتاج رہتا ہے۔ حقیقت میں وہ کفایت شعار کی حلقہ بگوشی و غلامی کے لئے پیدا ہوا ہی

باب ۲ دوم

کفایت شعاری کے عادات

(۱) اپنے تئیں ضبط کرنا بڑی بات ہی۔

(۲) بہت سے آدمی زمانۂ حال کے لئے کام کرتے ہیں اور بہت تھوڑے زمانہ آیندہ کی لئے۔ عاقل و نوحال اور استقبال کے لئے کام کرتا ہی۔ حال میں استقبال کے لئے اور استقبال میں حال کے لئے۔

(۳) کامیابی کا بڑا گر یہ ہے کہ آدمی بے نفس ہو۔ اپنے لئے جو اپنے تئیں تازیانہ بناتا ہے وہ اپنا بڑا معلم بنتا ہے اگر تم یہ ثابت کرو کہ مجھی اپنے نفس کا مغلوب رکھنا آتا ہی تو میں تملو کہونگا کہ تم تعلیم یافتہ ہو۔ اگر یہ نہیں آتا تو یہ ساری تعلیم بے کار ہے۔

(۴) تمام دنیا فریاد مچا رہی ہی کہ وہ آدمی کہاں ہی کہ ہمکو بچائے؟ ہمکو آدمی کی بڑی ضرورت ہی۔ تم اُس آدمی کی تلاش میں دور نہ جاؤ۔ وہ تمھاری بغل میں موجود ہی وہ آدمی تم خود ہی ہو۔ تم میں سے ہر ایک کہتا ہی کہ میں ہوں میں ہوں آدمی بنے کیونکر کوئی اپنی تئیں آدمی بنا سکتا ہی؟ یہ کچھ مشکل نہیں خود پسندی کو چھوڑ دو۔ آدمی بن جاؤگے۔ اسے اختیار کروگے تو انسانیت سے خارج ہو جاؤگے

جن آدمیوں کو بہت اجرت ملتی ہی وہ محنت مستعدی دیانتداری کفایت شعاری اختیار کریں

کسی کو انکار نہیں کہ کفایت شعاری کے اعمال کئے جائیں یہاں بہت سی مثالیں اسکی موجود ہیں جو کام پہلے آدمی کر گئے ہیں وہ پچھلے آدمی سب کر سکتے ہیں کفایت شعاری ایذا پہنچانیوالی نیکی نہیں ہے۔ بلکہ وہ بہت سی دقتوں اور حقارتوں سے بچاتی ہی فقط اسمیں اپنا نفس مارنا اور خواہشوں کا دبانا پڑتا ہی۔ مگر وہ مناسب خوشیوں کی مانع و مزاحم نہیں ہے۔ اس میں بہت سی ایسی خوشیاں ہیں جنسے مسرفی و فضول خرچی محروم کرتی ہی۔

کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں کفایت شعاری نہیں کر سکتا۔ بہت ہی کم آدمی ایسے ہونگے کہ کچھ نہ کچھ ہفتے میں نہ بچا سکتے ہوں بہت سے غریب آدمی یہ کہتے ہیں ہماری آمد خرچ کیا ہی۔ کیا پدڑی کیا پدڑی کا پلاؤ۔ کیا ننگی نہائیگی کیا نچوڑیگی وہی روز کمانا وہی روز کھانا۔ جو ہاتھ میں آتا ہے منہ میں رکھ لیا جاتا ہے۔ یہ انکی غلطی ہے غریب آدمیوں کو ضرورت کوڑی کوڑی جوڑنے کی ہی۔ غریب آدمی اپنے پیچھے ذرا ذرا سے خرچ ایسے بہت لگا لیتے ہیں کہ اگر وہ خرچ نہ کریں تو بہت کچھ جمع کر لیں اور ان خرچوں کے نہ کرنے سے انکا کچھ حرج بھی نہ ہو۔ غرض جو کچھ بچ سکے اسکے بچانے کی عادت ڈالنی چاہئے کفایت شعاری کے لئے نہ کسی بڑی دلیری

ہمت کی نہ کسی بڑی عقلمندی کی نہ کسی فوق العادت نیکی کی ضرورت ہی۔ بلکہ تھوڑی صبر کی اور نفس پروری کے خواہشوں کے روکنے کی حاجت ہی۔

کفایت شعاری روزانہ عملی کاموں میں معمولی عقل کے کام میں لانے کا نام ہی۔ کسی پر جوش قصد کرنے کا کام نہیں پڑتا۔ کچھ صبر کرنا پڑتا ہی۔ کچھ دل کو خواہشوں سے روکنا پڑتا ہی اسکی تدبیر یہ ہے کہ اسے شروع کر دو۔ جتنی اسکی عادت بڑتی جائیگی اتنی وہ آسان ہوتی جائیگی اور ایسا دل کو خوش رکھیگی کہ ان تمام رنجوں کی مکافات ہو جائیگی جو ابتدا میں نفس کے مارنے سے ہوئی تھی۔

اب یہ سوال پوچھا جا سکتا ہی کہ جس غریب کی کمائی کی کوڑی کوڑی کنبہ پروری میں ضروری خرچوں میں صرف ہو جاتی ہی وہ کیونکر کچھ بچا سکتا ہی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض جفاکش سلیم الطبع ایسے حال میں بھی اپنے نفس کو مار مار کر کچھ نہ کچھ بچا لیتے ہیں

خاص اہل پیشہ و حرفہ و کاریگر و مزدوروں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ایسے آدمی بھی ہوتے ہیں کہ ہزاروں کماتے ہیں اور ہزاروں اڑاتے ہیں جب دفعتہً مر جاتے ہیں تو اہل و عیال کی بسر اوقات کے لئے کچھ نہیں چھوڑ جاتے ہیں مسرفانہ زندگی کے سبب سے قرض چھوڑ جاتے ہیں ان کے مرنے کے وقت گھر میں جو کچھ اسباب ہوتا ہے وہ پرایا ہوتا ہے۔ تجہیز و تکفین میں کچھ خرچ ہوتا ہے اور باقی قرض میں دیا جاتا ہے۔ روپیہ جو ایک بڑی بیش بہا چیز ہاتھ لگتی ہے وہ استغنا ہے جس سے کسی پاس محتاج ہو کر جانا نہیں پڑتا۔ استغنا کی مسند دولت دیتی ہے۔ اخلاق میں استغنا ہی بڑی عظمت و برکت ہے۔ اس لئے کفایت شعاری ادنےٰ و متوسط طبیعت میں ایک قسم کی عظمت و شان پیدا کرتی ہے کہ اعلیٰ درجہ کی نیکیوں کے ہم مرتبہ ہو جاتی ہے۔ معاملات دولت کو کبھی نظر حقارت سے نہ دیکھو۔ فضائل سخاوت۔ فیض رسانی۔ عدالت۔ امانت۔ دیانت۔ دور اندیشی۔ دولت کے اچھی طرح استعمال پر منحصر ہیں اور رذائل ذلت۔ ظلم۔ فضولی۔ غفلت کوتاہ اندیشی دولت کے بُری طرح کام میں لانے سے پیدا ہوتے ہیں

جو جماعت مفلس ہوتی ہے اور دست و دہن کی درمیان رہتی ہے (یعنی نہایت مفلس کہ جو ہاتھ میں آتا ہے وہ منہ میں جاتا ہے اور کچھ پاس نہیں رہتا) اس نے کبھی کوئی کام پورا نہیں کیا جو آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ جو کماتے ہیں وہ بالکل خرچ کر ڈالتے ہیں وہ محتاجی کے کنار رہتے ہیں اور ضعیف العقل ہوتے ہیں گردش کی حالتوں اور وقت کے غلام ہوتے ہیں محتاج رہتے ہیں نہ اپنا ادب آپ کرتے ہیں نہ اوروں کا ادب کرتے ہیں یہ ناممکن ہے کہ وہ کبھی آزاد اور غنی ہوں۔ غرض مسرف ہونے سے آدمی نیکی اور مردانہ اولوالعزمی سے محروم ہو جاتا ہے۔ جو شخص کچھ روپیہ بچاتا ہے خواہ یہ بچت کتنی قلیل ہو اُس سے سرمایہ جمع ہوتا ہے جس سے دل کو تقویت پہنچتی رہتی ہے۔ پھر قسمت اور زمانہ کا وہ شکار نہیں بنتا دنیا کو اپنا بہادرانہ منہ دکھاتا ہے۔ اس طرح وہ اپنا آپ آقا بنتا ہے وہ اپنی شرائط کو آپ پیش کرتا ہے۔ نہ وہ مول لیا جا سکتا ہے نہ وہ بکتا ہے وہ زمانہ آیندہ کو بڑی مسرت و امید سے دیکھتا ہے اور بڑھاپے کو آسایش اور خوشدلی کا زمانہ جانتا ہے +

اس زمانہ میں بہت سے آدمیوں کو یہ بڑا شوق ہو گیا ہے کہ اپنے انبساط سے باہر پانو رکھتے ہیں اور اپنے تئیں اپنی حیثیت سے زیادہ دکھاتے ہیں اور مقدور سے زیادہ خرچ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زندگی کا کچھ اعتبار نہیں وہ جلد ختم ہو جاتی ہے پھر کیوں ہم اسمیں تنگی سے گذارہ کریں جہانتک ہو سکے عیش و آرام سے زندگی بسر کریں شعر اب تو آرام سے گذرتی ہے + عاقبت کی خبر خدا جانے + اسی نظر سے وہ ساری اپنی کمائی فضول خرچیوں میں اڑاتے ہیں اور عیاشی و مستانوشی سے موت کو جلد بلاتے ہیں۔

بہت سے آدمی دولت پیدا کرنے میں بدل و جان مصروف رہتے ہیں اور آمیں بڑے خوش سلیقہ و ہنرمند ہوتے ہیں مگر دولت کے خرچ کرنے کے لئے جس عقل کی ضرورت ہے اُن کے پاس نہیں ہوتی کہ اسکو انتظام کے ساتھ خرچ کریں اُنکے دل میں عیش و نشاط کے کاموں کے جوش اُٹھتے ہیں گو وہ چندروزہ ہی ہوتے ہیں مگر اسکے مآل اور نتائج پر وہ کچھ خیال نہیں کرتے اور روپیہ اُٹھا دیتے ہیں یہ ایک فراموشی اور غفلت ہے جسکا علاج بہ آسانی ہو سکتا ہے کہ ارادہ مضبوط اور عزم مصمم کر کے اُن مواقع سے باز رہیں کہ جنمیں روپیہ فضول خرچ کیا جاتا ہے۔

اکثر وہ آدمی جو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی حالت معاشرت کی اصلاح چاہتے ہیں وہ دولت بچانے کی عادت اپنے میں ڈالتے ہیں وہ کسی چیز میں جسکی ضرورت نہ ہو روپیہ نہیں خرچ کرتے اور زندگی بسر کرنے کی ان تمام طریقوں سے پرہیز کرتے ہیں جنمیں روپیہ بیکار خرچ ہوتا ہے اور فضول خرچیاں ہوتی ہیں وہ جانتے ہیں کہ کوئی فضول چیز خواہ کیسی ہی ارزاں ہاتھ لگے گراں ہوتی ہے۔

بے ضرورت چیزوں کا خریدنا اور باتوں میں بھی فضول خرچ بنا دیتا ہے اور یہ تھوڑے تھوڑے خرچ ملکر بڑے خرچ ہو جاتے ہیں۔

سسرو کا قول ہے کہ خریدنے کا سودا خبط نہ ہونا آمدنی کا ہوتا ہے بعض آدمیوں کو سستے سودوں کے خریدنے کا سودا ہوتا ہے وہ کچھ ضرورت والے ضرورت

انہیں دیکھتے وہ چیزوں کو نہایت ارزاں سمجھ کر مول لے لیتے ہیں اگر کوئی ان سے پوچھے
یہ چیزیں جو آپ نے خریدی ہیں آپ کے کس کام آئیں گی تو وہ جواب دیتے ہیں کہ بالفعل تو وہ
کسی کام میں نہیں آسکتی لیکن کبھی نہ کبھی کسی وقت وہ ضرور کام آئے گی۔ داشتہ آید بکار
اس طرح کی خریداری بھی فضول خرچی میں داخل ہو گئی ہے۔ کوئی پرانی چینی کے برتنوں کا
ڈھیر اتنا خرید لیتا ہے کہ گھر چینی کے برتنوں کی دکان معلوم ہوتی ہے کوئی پرانی
تصویریں اور پرانا اسباب انگریزوں کے گھروں کا خرید کے گھر بھرتا ہے خریداری
کا کچھ مضائقہ نہ تھا اگر وہ واقف کار قرض خواہوں کے روپیہ سے نہ ہوتی
بعض کو نیلام میں چیزوں کے خریدنے کا ایسا شوق ہوتا ہے کہ اتنی ساری چیزیں
مول لے لیتے ہیں کہ نہ گھر میں انکے رکھنے کی جگہ ہوتی ہے نہ گرہ میں قیمت دینے کے
لئے پیسا ہوتا ہے۔

آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنی نوجوانی اور ادھیڑ عمر میں اتنا کچھ جمع کر لے کہ بڑھاپا
چین اور آرام کی بسر ہو۔ اس سے زیادہ کیا مصیبت ہوگی کہ ایک شخص ساری عمر بہت کچھ
کمائے اور جب بوڑھا ہو تو دربدر خاک بسر بھیک مانگتا پھرے ہمسایوں کی
رحم دلی کے بھروسہ پر جیئے یا بیگانوں کے آگے ہاتھ پھیلاتا پھرے یہ خیال
بڑے استقلال کے ساتھ نوجوانی میں چاہئے کہ کام کیجئے اور کچھ بچائیے جس سے اپنے تئیں
بڑھاپے میں فائدہ پہنچے اور اپنے اہل و عیال کو آرام ملے۔

نوجوان سمجھتے ہیں کہ زمانہ آئندہ دراز ہے ولیکن بوڑھے کا لکھے تو کچھ زمانہ باقی نہیں
آنے والا ہے وہ تو اپنے زمانہ کو ختم کر چکا ہے اور نہ وہ اپنے ساتھ کچھ لیجانے والا ہے
اسلئے نوجوانی سے کفایت شعاری پر عمل کرنا چاہئے اور پیرانہ سالی میں کشادہ دلی سے
خرچ کرنا چاہئے بشرطیکہ آمدنی سے خرچ زیادہ نہ ہو۔

ہم زمانہ میں دیکھتے ہیں کہ اس عمدہ قول پر نوجوان عمل نہیں کرتے۔ باپ جسکے مرنے
کا زمانہ قریب آگیا ہے اس کا جوان بیٹا باپ کی برابر یا زیادہ کشادہ دلی
سے خرچ کرتا ہے یا خرچ کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنی زندگی وہاں سے شروع کرتا ہے

جہاں باپ چھوڑتا ہی۔ جتنا وہ خرچ کرتا ہی باپ اسکی عمر میں اتنا نہیں خرچ کرتا تھا اس لئے قرض کا پیغام بھی کان میں جلد پہنچتا ہے۔ اسکی ضرورتوں کا وہ تار بندھتا ہے کہ جسکے رفع کرنیکے لئے وہ ناجائز وسائل سے ناروا فائدے حاصل کرتا ہی وہ دولت بہت جلد پیدا کرنی چاہتا ہی۔ اسکے لئے وہ بڑے بڑے منصوبے باندھتا ہے بیچ بیوپار میں بڑے بڑے معاملے بامید منفعت کرتا ہی۔ اس لئے آخر کو اسکا کارخانہ جلد تباہ ہو جاتا ہی اس سے اسکو تجربہ ہوتا ہے مگر وہ برے کام کرنے کا نتیجہ ہوتا ہے بھلے کام کرنے کا نہیں سقراط نصیحت کرتا ہی کہ باپ جو اپنے کنبے کا سرپرست ہو اسکو چاہئیے کہ اپنے ہمسایہ کے کفایت شعاروں کے نتائج کو دیکھے اور انکے مثال سے مستفید ہو کہ وہ اپنے روپیہ کو فائدہ مند کاموں کیلئے اچھی طرح خرچ کرتے ہیں۔

کفایت شعاری ایک عملی کام ہی وہ واقعات نفس الامری سے سکھایا جا سکتا ہے مثلاً دو آدمی جو کنبے اور خرچ کے لحاظ سے ہم حالت ہیں ان میں سے ہر ایک بارہ آنے روز کی مزدوری کرتا ہی۔ ایک انمیں سے کہتا ہی کہ میں کچھ نہیں بچا سکتا اور وہ کچھ بچاتا بھی نہیں مگر دوسرا کہتا ہے کہ میں بچا سکتا ہوں اور بچاتا بھی ہی۔ اپنی آمدنی کا ایک حصہ ہمیشہ باقاعدہ بنک میں امانت رکھواتا ہی۔ یا کسی اور بیچ میں لگاتا ہے اور آخر کو صاحب سرمایہ ہو جاتا ہے۔

کفایت شعاری ہی دولت مندی اور بہبودی کا مخزن ہی۔ وہی پیش بینی کی دختر اور مستغنی ہونے کی مادر اور اعتدال کی ہمشیرہ ہے۔

افلاس وہ بری بلا ہے کہ نیک وسائل سے جہاں تک ہم اپنے تئیں اس سے بچا سکیں بچائیں اسکے ہونے سے نیک کاموں کے کرنیکے وسائل ہاتھ سے جاتے رہتے ہیں اور نوائل اخلاقی اور طبعی کے مقابلہ کی قابلیت جاتی رہتی ہی۔ خوب دل میں ٹھان لو کہ مفلس اپنے تئیں نہیں ہونے دینگے آمد سے خرچ کم رکھینگے۔ کافی آمدنی کی سبیل نکالینگے جسکے بغیر بچت نہیں ہو سکتی۔ کفایت شعاری و جزرسی سے فقط اپنی ہی آسائش نہیں حاصل ہوتی بلکہ اوروں کو بھی فائدہ پہنچتا ہی۔ جو شخص خود محتاج ہوگا وہ دوسرے کی احتیاج کیا دور کرسکتا ہی

ع خود گم رہ است کرا رہبری کند۔

افلاس خوشدلی کا قاتل ہے - آزادی کو بالکل کھا ہی جاتا ہی - بعض نیک کاموں کو کرنے ہی نہیں دیتا - اور بعض کاموں کو بہت مشکل بنا دیتا ہی - جو محتاجی سے ڈرتے ہوں انکو اپنے باپ دادا کے رویے اور طریقے کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس کفایت شعاری اور جفری سے رہتے تھے بن انھیں کا طریقہ اختیار کرکے خرچوں کی تخفیف کرنی چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ بغیر کفایت شعاری کے دولتمند نہیں ہو سکتے - اور اس کے ساتھ رہکر تھوڑے ہی میں رہ سکتے ہیں - جو آدمی کفایت شعاری کو اپنے اوپر واجب لازم کرلے تو وہ طبیعت پر گران نہیں گذرتی - بلکہ جن لوگوں نے پہلے اُسپر خیال نہیں کیا انکو حیرت ہوتی ہے کہ ہفتہ وار چند پیسوں یا آنوں کا بچانا کیسا اخلاق اور عقل کو درست کرتا ہے اور دل کو غنی بناتا ہے -

ہر کفایت شعاری سے آدمی کو ایک عزت حاصل ہوتی ہے اسکے عمل کے ادائے کر خصلت کو تقویت ہوتی ہی جو اشتہائے نفسانی کی روک ہوتی ہی مزاج میں اعتدال پیدا ہوتا ہے دل باقاعدہ منتظم ہوتا ہے - مآل اندیشی پیدا ہوتی ہے سب اوصاف سے زیادہ ہوشیاری و دور اندیشی نمایاں ہوتی ہے تن پروری کے اوپر اقتدار حاصل ہوتا ہے ان سب کے سوائے آسائش اور راحت ملتی ہے - اُن رنجوں تردد ات سے نجات ہوتی ہے - جو کفایت شعاری بغیر ضرور آن کر گردن دبالیتے -

بعض آدمی کہیں گے کہ یہ کفایت نہیں ہو سکتی مگر ہر ایک آدمی کچھ نہ کچھ کرسکتا ہے یہ نہیں ہو سکتا سمجھنا ظلم ڈھاتا ہے - آدمیوں اور قوموں کو غارت کرتا ہے -

جو شخص اپنی آپ عزت کرتا ہے وہ اپنا اور اپنے کنبے کا گذارہ خود کریگا - اسکی غیرت کب اسکی مقتضی ہوگی کہ کوئی دوسرا شخص اس کام میں اسکی مدد کرے - جو شخص اپنی مدد آپ کرتا ہے وہ ضرور اپنی عزت آپ کرتا ہے وہ اپنی چھوٹی دنیا کا مرکز خود بنتا ہے - اسکی اپنی محنتیں اسکی خود جستجوئیں اپنی امیدیں اپنے خوف اسکے اپنے لئے بکار آمد اور ضروری ہیں گو اوروں کے لئے وہ کوئی بڑا نتیجہ نہ رکھتی ہوں ان باتوں کا بڑا اثر اس کی خوشدلی اور روزانہ گذران پر اور اس کی کل انسانیت

پر ہوتا ہے۔ وہ اپنے ذاتی معاملات پر خود بڑا متوجہ ہوتا ہے۔
انصاف یہ ہے کہ آدمی فقط اپنی ہی ذات کے خیال میں سراپا محدود نہ ہو جائے بلکہ اسکے ساتھ اوروں کے حقوق جو اسکے ذمے پر ہیں انکے ادا کرنے کا بھی خیال رہے لیکن اپنے مقصد کو پستی کی طرف نہ جانے دے۔ خوب سمجھ لے کہ انسان کچھ ہی کم فرشتوں سے ہے آخرت میں اس کے لئے مدارج اعلی بنائے گئے ہیں ابد سے اس کو تعلق ہی۔ تمام عالم میں اشرف المخلوقات وہ ہی۔ عقل اسکو عطا ہوئی ہی محبت اس میں پیدا کی گئی ہے یہاں دنیا میں اس کے واسطے گھر بنایا گیا ہے۔ اس لئے کبھی انسان کو اپنی نسبت دنی اور رذیل ہونے کا خیال نہیں کرنا چاہئے ایک ادنے آدمی بھی ازل و ابد کا مرکز ہے۔ سب آدمیوں پر خدا کا سایہ رہتا ہے۔ آدمی کو اپنے جسم و نفس و دماغ و خصلت کا ادب کرنا چاہئے۔ اپنے نفس کی محبت سی اپنی ذات کا ادب پیدا ہوتا ہے اور یہی اول قدم ترقی کی تحریک کا ہوتا ہی یہی اپنی ذات کے مرتفع کرنے کا۔ اپنی عقل کے انکشاف کا۔ اپنی حالت کی ترقی کا شوق دلاتا ہی عصمت۔ طہارت۔ صداقت۔ عدالت کی نیکیوں کا وہی اصل ہوتا ہے۔ اپنے تئیں ذلیل و رذیل سمجھنا آدمی کو ڈبو دیتا ہے اور بعض اوقات بدنامی اور بےعزتی کے گڑھے میں دھکیل دیتا ہی۔ ہر شخص اپنی مدد آپ بہت کچھ کر سکتا ہی ہمارا حال اس تنکے کا سا نہیں ہے کہ پانی پر اسکے بہاؤ کی سمت بتلانے کے لئے پھینکا جائے بلکہ ہم میں خود قدرت آزادانہ کام کرنے کی ہی۔ ہم پانی کے چڑھاؤ کا سامنا کر کے اسکے اوپر اپنا رستہ آپ بنا سکتے ہیں۔ اخلاق کی میزان میں جتنا چاہے ہر شخص اپنا وزن پیدا کر سکتا ہے۔ ہم نیک کام کر سکتے ہیں ہم اعتدال کفایت شعاری کے ساتھ رہ سکتے ہیں اپنے ایام عسرت کے لئے سرمایہ جمع کر سکتے ہیں اچھی کتابیں پڑھ سکتے ہیں دانا معلموں کا درس سن سکتے ہیں خدا کی باتوں کا اثر قبول کر سکتے ہیں دنیا میں اعلی سے اعلی مقصد پیش نظر رکھ سکتے ہیں اپنے سے محبت کرنی اور قوم سے محبت کرنے کے ایک ہی معنے ہیں جو شخص اپنی ترقی کرتا ہے وہ قوم کی

ترقی کرتا ہی اس لیئے کہ وہ خود اسی کی فرد ہیں قوم افراد کے مجموعہ کا نام ہے۔ بس جب ہر فرد ترقی کرتی ہی تو قومی ترقی ہوتی ہے۔ کل جب ہی طاہر ہوتا ہے کہ وہ جن اجزا سے مرکب ہے وہ پاک صاف ہوں ہیں ایک شخص کا ترقی کرنا قوم میں ایک سچے آدمی کا اضافہ کرنا ہی۔ اور اس اضافہ کے بار بار ہونے سے قوم سچی ہو جاتی ہی۔ قوم کی حالت افراد ہی کی حالت کا پرتو ہوتا ہے۔

جب ایک آدمی ترقی کرتا ہی تو اس قابل ہوتا ہے کہ جو اسکے قریب ہوں وہ ان کی ترقی کا محرک بنے اُس میں زیادہ قدرت ہوتی ہے اس کا منظر فراخ ہوتا ہے وہ ایسی بصارت رکھتا ہے کہ قومی بُرائیوں کو صاف پرکھ لیتا ہے اور اس کا علاج جانتا ہی وہ قوم کا ہاتھ پکڑ کے پستی کے گڑھے سے نکال سکتا ہے۔ اُس نے خود اپنا فرض ادا کیا ہے وہ اوروں کی تحریک کرسکتا ہے کہ اپنا فرض مثل اس کی ادا کرکے اپنی حالت کو بہتر کرلیں جو شخص اپنی نفس پروری کی کیچڑ اور دلدل میں پھنسا ہوا ہو وہ کب ترقی کے رستہ پر قوم کو چلا سکتا ہے۔ جو شخص خود نجس و غلیظ ہو وہ اوروں کو کیسے طہارت کی ہدایت کرسکتا ہے ع خود گم رہ است کرا رہبری کند۔ اس کو تو ہمسایہ والے بھی کہینگے کہ اے حکیم تو پہلے اپنے تئیں تندرست کر۔ ہمارے اس اوپر کے بیان کا حاصل ہے کہ جو اصلاح اور ترقی ہم اپنے قوم کی چاہیں اسکا آغاز ہم اپنے سے شروع کریں اور اپنی زندگی کو اسکا نمونہ اور مثال بنائیں جس سے اوروں کو سبق پڑھائیں جو اوروں کا بلند کرنا چاہتا ہے وہ پہلے اپنے تئیں بلند کرے اس کو اپنی ذات کے تعزز سے شروع کرے۔

زندگی کی بے اعتباری مقتضی اسکی ہی کہ ہم اپنی کم بختی کے دنوں کے لئے کچھ سامان معاش جمع کریں یہ کرنا فقط اخلاقی اور معاشرت کا فرض نہیں ہی بلکہ مذہبی فرض ہے۔ جو شخص اپنے لیئے اور اپنے اہل و عیال کے لئے سامان معاش جمع نہیں کرتا وہ بے ایمان کافر سے بدتر ہوتا ہے۔

زندگی کا بے اعتبار ہونا بالکل سچ ہی۔ بھلے چنگے تندرست بڑے زبردست

آنا تھا یا امراض میں مبتلا ہو کر مر جاتے ہیں
جینا موت کا آنا یقینی ہو ایسا جینا یقینی نہیں ہے۔ گو بظاہر مرنے جینے کا قانون عام نہیں معلوم ہوتا مگر مہذب ملکوں کے محققین نے تحقیق کر لیا ہے کہ مرنا جینا بھی ایسا ہی ایک قانون کے موافق ہوتا ہے جیسا کہ اولے کا زمین پر گرنا ایک قانون کے مطابق ہے انگلستان میں ایک لاکھ آدمی جو ایک وقت میں پیدا ہوں۔ انمیں سے چوتھائی تو پانچ برس کی عمر کے اندر مر جاتے ہیں اور باقی کے آدھے پچاس برس کی عمر میں اور تونبے برس کی عمر تک گیارہ سو اور سو برس کی عمر تک سولہ پہنچتے ہیں اور صرف دو ان لاکھ آدمیوں میں سے ایک سو پانچ برس کی عمر تک نہایت بیکسی کی حالت میں پہنچتے ہیں۔
بہت سے تجربوں سے یہ ایک امر تحقیق ہو گیا ہے کہ انگلستان میں زندگی کا اوسط ۴۵ سال ہے۔ افسوس ہے کہ ہندوستان میں صرف ۲۳ پانچ سال ہیں اب اس سے دو باتیں ظاہر ہوئیں کہ بالانفراد وفات کے اوقات نامحقق اور بالاجتماع محقق۔
اب ہمارا کام یہ ہے کہ قوانین صحت کو سمجھیں اور جو انکے نتائج ہماری برخلاف ہوں ان کا علاج کریں ۞ جب ہم قوانین فطرت کی عدول حکمی کرینگے گو اس سے غرض ہماری اچھی ہو تو بھی سزا پائے بغیر نہیں رہینگے۔ خالق جہان نے اپنے قوانین جو مقرر کیے ہیں ان میں کبھی تبدیل و تحویل نہیں کرتا کبھی وہ ہماری جہالت کی خواہش کے موافق نہیں بدلکے کام نہیں کرنے لگتا خداوند تعالیٰ نے ہمکو فہم و عقل دی ہے کہ ان قوانین کو سمجھیں اور اسکے موافق کام کریں اگر یہ نہ کریں تو اپنے کیئے کو بھگتیں جیار و ناچار رنج و تکلیف اٹھائینگے۔
بہت سے آدمی ابھی یہی نہیں جانتے کہ نیکی۔ علم۔ آزادی۔ خوشحالی آدمی اپنے لئے خود پیدا کرتا ہے ان باتوں کے لئے قوانین کا بہت ہی کم سہارا ہے وہ آدمیوں کو بیرپیرگار یا عاقل یا خوشحال نہیں بنا سکتے۔ فضول خرچ بیٹھا ہوا قوانین پر ہنسا کرتا ہے۔ شرابی ابھی سترنگ بین اُس سے لڑنے کو موجود ہے۔ بد معاش و باغی اپنی ناعاقبت اندیشی او گھمنڈ کے سبب سے انہیں ہیچ کارہ جانتا ہے۔ ایسی سخت

بدبختی کا الزام اوروں کے ذمے تھوپتا ہے۔ یہ ایک دستور پڑ گیا ہے کہ زیادہ تر آدمی قسمت کی شکایت کرتے ہیں اور غل مچاتے ہیں کہ گورنمنٹ ہماری دستگیری نہیں کرتی اور کوئی ہماری مدد نہیں کرتا۔ یہ ساری شکایتیں رذالت اور طبیعت کے کمینے پنے اور پاجی پنے سے پیدا ہوتی ہیں خود اپنی خواہشوں کو روک نہیں سکتے۔ کفایت شعاری اختیار نہیں کرتے۔ اعتدال نہیں رکھتے۔ غرض اپنی مدد آپ نہیں کرتے اور اوروں کے ذمے الزام دھرتے ہیں ایسی بیجا شکایتوں کے سننے سے کان بھرے ہوتے ہیں دل تنگ ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوشحالی کے اصول اولیہ سے محض جاہل ہیں وہ اوروں کی مدد نہ کرنے کی شکایت کرتے ہیں حالانکہ مدد خود اُن کے اندر موجود ہے وہ اپنی مدد کرنے اور اپنی حالت بہتر کرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں ان کو اپنی نجات و رستگاری کے لئے خود کام کرنا چاہئے۔ غریب سے غریب آدمی یہ کرتے ہیں تو پھر ہر ایک آدمی کسو اسطے نہ کر سکے۔ بہادر عالی حوصلہ ہمیشہ فتحیاب ہوتے ہیں۔

روز بروز ایسے کام کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ کہ جنکو اجرت خاطر خواہ ملتی ہے اگر وہ خرچ میں کفایت کریں تو اپنی اجرت سے بچا سکتے ہیں جس سے ان کے اخلاق میں ترقی اور ان کی بہبودی ہو سکتی ہے اور وہ اپنے گروہ میں معزز و فارغ البال ہو سکتے ہیں مگر وہ ایسے ناعاقبت اندیش اور فضول خرچ ہوتے ہیں کہ اس اپنی خوشدلی اور اپنے اہل و عیال کا چین و آرام برباد کرتے ہیں اور اپنے گروہ کو کہ جسکے زیادہ تر وہ سرگروہ ہیں مضرت پہنچاتے ہیں۔

جب ان کام کرنے والوں کا کام خوب چلتا ہے تو وہ اپنی آمدنی کو بے مصرف خوب خرچ کر ڈالتے ہیں اور جب کام کا مندا ہوتا ہے تو سر پیٹتے ہیں اور نہایت خراب خستہ حال ہوتے ہیں وہ روپیہ کو اچھی طرح نہیں خرچ کرتے بلکہ بری طرح وہ اپنے بڑھاپے کے لئے اور اہل و عیال کے لئے جو بڑھتے جاتے ہیں۔ کچھ فکر نہیں کرتے۔ ان میں سے اکثر بیوقوفیوں اور برائیوں اور اوباشیوں میں روپیہ کو برباد کر دیتے ہیں کوئی اس بیان کو مبالغہ نہ جانے بلکہ جہاں چاہے وہاں ان کام کرنے والوں کا حال

یہ دیکھ لے - ہندوستان میں دو گروہ ہندو و مسلمان ہیں جب کام خوب چلتا ہے تو مسلمان خوب
چلھوتیاں اُڑاتے ہیں کپڑے خوب پہنتے ہیں میلوں میں اپنے کھیلے ــــــ سینے پھیرتے ہیں جب
کام کا مندا ہوتا ہے تو سارے گھر کا اسباب بکتا ہے اگرو ہوتا ہے - ایک تہمت بندھا ہوتا ہے
اور پھٹا کرتا بدن پر ہوتا ہے - روکھی سوکھی چٹنی روٹی پر گذارہ رہتا ہے - اگر ہندو ہوئے تو گو
کھانے پینے میں فضولی نہ کریں مگر شادی بیاہ میں ساری جمع پونجی خرچ کر کے کنگال ہو جاتے ہیں
گو اس زمانہ میں تجارت کا بازار خوب گرم ہے وساور خوب چلتا ہے - ریلوں پر مال کی ریل پیل
رہتی ہے - دستکاری کی چیزیں کہاں سے کہاں تک جاتی ہیں غرض سارے سامان خوشحالی
کے مہیا ہیں مگر اس کے ساتھ کم بختی یہ لگی ہوئی ہے کہ نئے نئے خرچ اپنے پیچھے لگاتے ہیں اور قدیمی
خرچوں میں فضولی کرتے ہیں کاریگر اپنے کاموں کی اجرت زیادہ مانگتے ہیں مگر جب ان کو یہ اجرت
زیادہ ملجاتی ہے تو ملتے ہی اس کو خرچ کر ڈالتے ہیں انھوں نے اپنی عادتیں بگاڑ لی ہیں عادت ہے با
ایک دفعہ پڑ جاتی ہے تو پھر مشکل سے سنورتی ہے بجائے اس کے کہ زیادہ اجرت میں سے کچھ بچاتے
وہ اور زیادہ فضول خرچوں میں صرف کرتے ہیں انگریزی چیزوں کے شوق نے تباہ حال کر رکھا ہے
گیا آدمی کا چراغ دو روئی سوار دمڑی کا فتیل سوز بر بھی برسوں جلا کرتا تھا - یا اب اُسکی جگہ قیمتی
لمپ روشن ہوتے ہیں کہ جس سے فقط روشنی کا خرچ کئی گنا ہو گیا - پہلے روئی کا سوت گھر پر
کتتا تھا اور بنا جاتا تھا - اُسکا کپڑا پہنا جاتا تھا تو برسوں چلتا تھا پھٹے پر بھی بچوں کے کام آتا
تھا - اب اُسکی جگہ انگریزی کپڑا جو صدہا طرح کا ہمیشہ نیا آتا ہے پہنا جاتا ہے جس میں بہت زیادہ
خرچ ہوتا ہے - اور گھر کے اسباب کا حال بھی ایسا ہی ہے - پہلے پانی پیا جاتا تھا اب اس میں
برف کا اضافہ ہوا ہے - پھر کہیں کہیں شراب کا دور بھی رہتا ہے - پہلے جوتیوں کے پہننے میں
بھی مضائقہ ہوتا تھا - اب پاؤں میں جوتی کا پہننا جیسا ضروری ہے ایسا ہی سر پر چھتری کا
ہونا بھی لازم ہے - غرض صدہا طرح کے نئے نئے خرچ ایسے کھڑے ہو گئے ہیں کہ آمدنی کی افزائش
انکو کافی نہیں ہوتی - پس جب کسی ملک کی آبادی نا عاقبت اندیش اور غیر منتظم ہو گی اُسکے واسطے
خواہ کیسا ہی خوشحالی کا سامان تیار کیا جائے اُسے مستفید نہیں ہو گی - اگر وہ عاقبت اندیشی
اور کفایت شعاری کو نہیں اختیار کرینگے تو بھوکے ننگے رہینگے - تجارت اور ہر پیشہ کا حال ہمیشہ یکساں نہیں

رہتا کبھی اچھا ہوتا ہے کبھی بُرا پس جب اچھے حال میں عاقبت اندیشی کے ساتھ کچھ بچایا
تو بُرے حال میں مصیبت اور تکلیف اُٹھانی پڑے گی۔

اگر آدمی کا فقط جسم ہوتا تو وہ ادنی سوتی ریشمی کپڑوں کے پہننے سے۔ گلی وچینی
برتنوں اور کھلونوں کے بنا لینے سے بازار میں جب چیزیں سستی بکیں اُن کے مول لینے سے اور
جب مہنگی بکیں تو اُن کے بیچنے سے۔ زمین کے بونے جوتنے سے مویشی کے چرانے سے۔ غرض جتنے
کاموں سے روپیہ کا فائدہ ہوتا ہے۔ خواہ یہ روپیہ خرچ کیا جاتا۔ یا جوڑا جاتا۔ بہر حال وہ
اپنے تئیں خوشحال سمجھنے لگتا۔ مگر جسم کے ساتھ تو روح لگی ہوئی ہے جس کے قواء جسمانی قواء
سے ممیز ہیں اس میں چاہتیں اور ہمدردیاں بھری ہوتی ہیں بس اس لئے انسان
کی خوشحالی فقط بدن اور رگ پٹھوں ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ عقل اور اخلاق پر بھی منحصر ہے
قومی خوشحالی کے لئے فقط دولت کافی نہیں جیسے کہ ایک آدمی کی طبیعت ہمیشہ ایک ہی رہتی
ہے اور وہ اپنے خرچ کے دوچند کرنے سے یا سو فیصدی جوڑنے سے بدنما اور نفرت کے قابل
ہوجاتی ہے۔ ایسے ہی قوم کا حال ہے کہ جب اُسکی آمدنی بڑھ جائیگی تو اُسکے قواء بہیمیہ کی پرورش
کا سامان زیادہ ہو جائیگا جس سے بجائے بھلائی کے بُرائی زیادہ پیدا ہوگی۔ قومی خوشحالی
جب پوری ہوتی ہے کہ دولت کی بڑھوتری کے ساتھ اخلاق اور عقل کی بھی ترقی ہو۔ یہ قومی
خوشحالی پوری نہیں ہے کہ فقط بے انتہا صناعت کی چیزیں تیار کرنے لگے۔

غرض جبتک قوم میں دولت کے ساتھ عقل اور اخلاق کی ترقی نہ ہو وہ پوری خوشحال
نہیں ہوسکتی۔ کوئی ہماری اوپر کی تحریر سے یہ نہ سمجھے کہ ہم بخل وکنجوسی کی حمایت کرتے ہیں ہمکو تو
اس سے نفرت ہے۔ ہمارا بڑا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو آیندہ کا فکر ہے اور اس کے لئے کچھ جمع
کرے اپنے اچھے وقت میں بُرے وقت کا خیال رکھے۔ کچھ بچا لے کہ محتاج نہ بننا پڑے۔
بُڑھاپے میں کام آئے۔ عزت وآبرو میں فرق نہ آئے۔ اس عمر میں آرام پائے معاشرت
کی بہبودی بڑھائے۔ لالچ طمع۔ حرص۔ سود خواری خود غرضی کا نام کفایت شعاری
نہیں ہے بلکہ وہ ان سب نفرت زدہ باتوں سے بالکل برعکس ہے۔ کفایت شعاری تو
اس انتظام کا نام ہے۔ جس سے دل غنی ہو۔ استغنا پیدا ہو۔ دیانت داری بڑھے

پیدا ہو اور ایسے انتظام سے خرچ ہو کہ جس سے قوم کی بہبود ہو صرف زر نہ ہو۔ اسمیں زمین میں دفن کرنے کے لیئے۔ نہ نوکروں کی لشٹ جلوس چلانے کے لیئے روپیہ پیدا کیا جاتا ہے۔ بلکہ ان عظیم الشان فائدوں کے واسطے جس سے دل غنی ہو استغنا ہو ؞

باب سوم

دولت و فلاکت جہالت و تعلیم

دولت و فلاکت یہی توام رہتی ہیں۔ جن ملکوں میں دولت کی افراط ہے وہیں فلاکت کی کثرت ہے۔ دنیا میں سب ملکوں سے زیادہ دولت مند انگلستان ہے جسکے ایک ایک بنک کی دولت گنج قارون کو مات کرتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ فلاکت کا بھی یہی حال ہے بینوا آدمیوں کا حال وہاں ایسا ہے۔ جیسا کہ وحشیوں جنگلیوں کا ہوتا ہے بلکہ اس سے بدتر اس لئے کہ وحشی و جنگلی آدمیوں میں تو افلاس میں سب کا حال یکساں ہوتا ہے کہ کھانے بیٹھے کو قحط ہوجائے پھر مگن و سیر ہیں کچھ پروا نہیں مگر شائستہ ملکوں میں یہ مصیبت اور زیادہ ہے کہ اپنی ناداری اور فلاکت کے مقابل میں عیش و عشرت کے سامان بے پایاں نظر آتے ہیں جس اور زیادہ اپنی حالت فلاکت کی ناگوار گذرتی ہے۔ وحشیوں کی طرح یہ غریب مفلس جو آیندہ ایک سال کا ایک ہفتہ کا ایک دن کا کچھ فکر نہیں کرتے۔ بالفعل کھانے پینے۔ سونے کو جانتے ہیں اسکا خیال ہی ان کے دل میں نہیں آتا کہ کوئی بلا سر پر آئیگی۔ بڑھاپا بے کس اپاہج بنائیگا۔ بیماری معطل کریگی۔ غرض ملک کی شائستگی و تہذیب سے وہ کچھ فائدہ نہیں حاصل کرتے بلکہ نقصان اٹھاتے ہیں۔

مہذب شائستہ ملکوں میں جتنے آدمی اب بھوکے مرتے ہیں پہلے ناشائستگی کے زمانہ میں نہیں مرتے تھے۔ یہی ہمارے نیم وحشی ملک کا حال ہے کہ جب سے اس میں شائستگی اور تہذیب نے قدم رکھا ہے تو افلاس اور ناداری کا بڑا شور غل مچا ہے۔ جتنے آدمی اب بھوکے رات کو سوتے ہیں اتنے پہلے زمانہ میں نہ سوتے تھے۔ ان غریب آدمیوں کی اگر تعلیم

تربیت اچھی طرح کیجائے اور کفایت شعاری کے اصول سکھائے جائیں تو یہ حالت نہیں ہے مگر تعلیم و تہذیب ایسی آہستہ رو ہیں کہ تہذیب کی تاریخ میں ایک نسل ایک دن شمار ہوتا ہے پس جبتک تین چار نسلیں نہ گذرلیں تعلیم و تہذیب کا اثر نمایاں نہیں ہوگا۔

یہ اکثر سننے میں آتا ہے کہ العلم قوۃ یعنے علم قوت ہے۔ مگر یہ کبھی نہیں سنا جاتا کہ الجہالۃ قوۃ یعنے جہالت قوۃ ہے۔ حقیقت میں جو جہالت میں قوت ہے وہ علم میں کہاں سکتا ہی۔ جہالت ہمیشہ غالب رہتی ہے۔ یہ انسان کے برے میلانوں ہی کا سبب ہی کہ گورنمنٹ اور سلطنت کے بہت سے کارخانے قائم ہوتے ہیں جنمیں بہت کچھ خرچ ہوتا ہے۔ جہالت ہی سے ایک آدمی دوسرے آدمی کا گلا کاٹنے کے لئے ہتھیار اٹھاتا ہی یہ جہالت ہی نے جیلخانے پولس۔ توپ خانے قائم رکھے ہیں۔ جہالت ہی سلطنت کا کل زور جسمانی مرتب کرتی ہے۔ جہالت ہی اسکی نگہبان ہوتی ہی۔ وہی اسکو کام میں لاتی ہے۔ غرض سب طرح سے جہالت میں قوت ہے۔

کہتے ہیں کہ جہالت کے زور کا سبب یہ ہے کہ صاحب علم بہ نسبت جاہلوں کی کم ہیں جب علم کی عام اشاعت ہوگی تو تعلیم یافتہ دانا اور مآل اندیش ہوجائیں گے پھر علم کو جہالت پر فوقیت ہوجائیگی مگر یہ وقت کبھی آیا ہے نہ اسکے آنے کی توقع ہے۔ اگر ہم جرائم کی فہرست دیکھیں تو سو جاہل مجرموں کے پیچھے ایک صاحب علم یا دانشمند ہوگا اور یہی نسبت ان تمام برے کام کرنے والوں میں ہے۔ فقیر بھیک مانگنے والے سب جاہل ہی ہوتے ہیں۔ غرض جہالت نے انسان کو طرح طرح کے امراض میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ہرچند کمیٹیاں اور کونفرنسیں اور جلسے بہت سے دانشمندوں کے ان کے گھٹانے کے واسطے ہوتے ہیں روپیہ بہت صرف کیا جاتا ہے۔ عالی دماغ اپنا دماغ بہت صرف کرتے ہیں مگر جہالت میں وہ زور ہے کہ اسکے آگے یہ تمام سعیاں اور کوششیں نقش برآب ہوتی ہیں اور جہالت ایسا مایوس کرتی ہے کہ کوشش کرنے والوں کا جی چھوٹ جاتا ہے اور اپنی سعی کے چھوڑنے کے لئے وہ آمادہ ہوجاتے ہیں۔

حضرت ایوب نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے کہ ناحق باتوں میں بڑی قوت ہوتی ہے

درحقیقت یہ سچ ہے کہ جاہلوں کے دماغوں کے لئے جیسی ناحق باتیں موزوں ہوتی ہیں
اور اُن پر اثر کرتی ہیں ایسی حق باتیں نہیں کرتیں۔ نہی مغرور متعصب وغلط کار
دماغوں پر اُن کو بڑا استیلا ہوتا ہے۔ جاہل تو حق باتوں کے معنے ہی نہیں سمجھتے
ان کو مہمل جانتے ہیں یا ان کے الفاظ کو کسی مُردہ زبان کے الفاظ جانتے ہیں۔
دانشمندوں کے خیالات عوام الناس کے دماغ کے اندر نہیں جاتے بلکہ وہ سر پر سے
اوپر ہی اوپر اڑ جاتے ہیں۔ بہت ہی کم آدمی ان کو سمجھتے ہیں اطباء حاذق قوانین صحت
کی تحقیق وتدقیق کرتے ہیں رسالے حفظان صحت کے لکھتے ہیں اور شائع کرتے ہیں اول تو
بہت سے آدمی ان کو پڑھ ہی نہیں سکتے اور جو پڑھتے ہیں ان میں بہت ہی تھوڑے
سوچتے اور سمجھتے ہیں غرض قوانین صحت پر کچھ خیال نہیں ہوتا۔ بازار گلیاں غلاظت سے
سڑا کرتی ہیں گھروں میں نجاست بھری ہوتی ہے۔ آبادی کی کثرت ہوتی ہے صاف
پانی اور ہوا کے لئے کوئی اہتمام نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں جب بخار پھیلتا ہے تو وہ
ہزاروں کا کام تمام کرتا ہے بیواؤں اور بچوں کی آہ وفغاں کا شور آسمان پر پہنچتا ہے
خیرات خانوں سے انکی پرورش ہوتی ہے بس دیکھ لیا کہ جہالت قوت ہے

جہالت کے زور گھٹانے کا علاج کوئی اس کے سوا نہیں ہے کہ علم بڑھایا جاوے۔ جیسے
آسمان پر آفتاب گردش کرتا ہے تو تاریکی دور ہوتی جاتی ہے۔ اور الّوؤں اور چمگادڑوں
اور بعض اور شکاری پرندوں کی بینائی ضعیف ہوتی جاتی ہے۔ ایسی ہی آدمیوں میں
علم کے اور بہتر تعلیم کے ہونے سے جرائم میں اور ممنوعات شرع میں شراب خواری اور عاقبت
اندیشی میں کمی ہوگی اور ساری بدیوں کے زور گھٹ جائینگے بلکہ ایک خاص حد تک نابود
ہوجائینگے + یہ بات بھی قبول کرنی چاہئے کہ محض تعلیم سے کام نہیں چلتا۔ عقلی تعلیم
بہت ہی کم اثر اخلاق پر ہوتا ہے۔ بہت سے ہوشیار لائق تعلیم یافتہ عالم ایسے ہوتے
ہیں کہ انکا چال چلن نہیں نیک ہوتا ہے بلکہ وہ مسرف۔ ناشتظم شرابی یا شریر ہوتے
ہیں ایسے شریر اپنی ہوشیاری کے سبب سے لچپن کو بڑی ہوشیاری سے کرتے ہیں
اس لئے ضرور ہے کہ تعلیم کی بنیاد مذہب پر رکھی جائے جس سے برائیوں کی طرف

طبیعتوں کے میلان رکھیں۔ یہ ایک مسئلہ علم اخلاق کا ہے کہ تونگری پر خوشدلی کا مدار نہیں ہے۔ اگر دفعتہً کام کرنیوالوں کی آمدنی دوچند کردی جائے تو اُس سے اُن کی خوشدلی دوچند نہیں ہو جائیگی بلکہ اکثر آمدنی کی افزائش افلاس سے زیادہ مضر ہوتی ہے۔ اسکے سبب سے آدمی بے اعتدالیاں اختیار کرتا ہے اور جرائم کا مرتکب ہوتا ہے۔ انگلستان میں جب کاریگروں کو اُجرت زیادہ ملنے لگتی ہے تو وہ اپنی آمدنی کو شراب میں زیادہ اڑاتے ہیں۔ شراب میں بدمست ہو کر وحشیانہ حرکتیں و حملے آپس میں کرتے ہیں۔ مذہب اور انتظام ملکی کے برخلاف بہت کام کرتے ہیں۔ ان گھروں میں اور ان کے دلوں میں جتنے دروازے اور روزن نیکی کے داخل ہونے کے ہوتے ہیں سب بند ہو جاتے ہیں۔ ارتکاب جرائم کی کثرت جہالت اور مذہب کی لاعلمی سے ہوتی ہے۔ اکثر مجرموں کی خصلتیں یہ دونوں باتیں ضرور ہوتی ہیں عوام کی بود و باش میں دو باتوں پر غور کرنی چاہئے۔ اول وہ کس طرح روپیہ پیدا کریں اور کس طرح خرچ کریں۔ یہ دونوں باتیں ان کو جب تک اچھی طرح نہیں آئینگی کہ تعلیم دنیاوی و اخلاقی و مذہبی ان میں خوب اشاعت پاکر ان کی عقل و فہم دل کو روشن نہ کرے۔ تعلیم ہی ان کو بتلائیگی کہ وہ اپنی آمدنی کی افزائش کس طرز سے کریں اور آمدنی کو نہایت ہوشیاری اور عاقبت اندیشی کے ساتھ کس طرح خرچ کریں اور پس‌انداز جو ادھیوں کو سمجھیں۔ ایک عاقل کا قول ہے کہ مُربی جو ایک بچہ کی تعلیم کرتا ہے وہ ایک ایسا سرمایہ اسکو دیتا ہے جو دولت کی خزانہ کی برابر ہے جب بچہ بالغ ہو تو وہ اس تعلیم کو بھی روپیہ کی طرح برے طور سے کام میں لا سکتا ہے مگر یہ کوئی اعتراض دولت و علم کی تحصیل پر نہیں ہے۔ اکثر علم و دولت کی قیمت تو فقط اسکے مناسب استعمال پر موقوف ہوتی ہے۔ علم کی تحصیل میں تو اس کے استعمال کرنے کی قابلیت بھی خوب آجاتی ہے مگر دولت کے جمع کرنے میں یہ بات نہیں ہوتی اس لئے تحصیل علم میں یہ فائدہ تحصیل دولت سے زیادہ ہے +

بہر نہج انسان کے حق میں تعلیم بڑی مفید ہے اس کے سبب سے جو اخلاقی ترقی ہوتی ہے اس سے قطع نظر کی جائے تو جسمانی ترقی بہت کچھ ہوتی ہے جن ملکوں میں عوام میں تعلیم پھیل گئی ہے انکی حالت ہی کچھ اور ہو گئی ہے۔ اس میں بیماریاں کم ہو گئیں۔ تعلیم خواہ دنیاوی یا دینی ہو اس کا جاہل انسان کی اخلاقی زندگی کے واسطے ایسا ہے

جیسے کہ انسان کی زندگی کے لئے دوران خون کا حال ہے کہ موٹی موٹی رگوں میں پھیل کر باریک باریک رگوں میں سارے بدن میں پھیلتا ہے۔ بس اسی طرح یہ تعلیم اعلیٰ درجہ کے آدمیوں میں جو بمنزلہ موٹی رگوں کے ہیں گے پھیل کر ادنےٰ درجہ کے آدمیوں میں جو بمنزلہ باریک رگوں کی ہیں پھیلتی جاتی ہے۔ اخلاق انسانی کے لئے تعلیم من سلوی و دوا ہے۔ اگر جرائم زہر ہیں تو تعلیم تریاق ہے۔ خلق وبا سے بچ سکتی ہی قحط کے بعد زندہ رہ سکتی ہے مگر جب جہالت کا شیطان شرارت و فساد کو اپنا نائب بناکے گھروں کے چین و آرام کے پیچھے پڑتا ہے تو وہ اس کے تمام قوانین و آئین کو تباہ کرتا ہے اور اسکی معاشرت کے فردوس کو اجاڑ کر جنگل بناتا ہے۔ اس لئے ہر سلطنت کا فرض عظیم یہ ہے کہ جیسے وہ جرائم کی سزا دینے میں اہتمام کرتی ہی ایسے ہی اسکے انسداد کی تدابیر کرے۔ جیسے وہ قوانین کا تابع رعایا کو بناتی ہی ایسے انکے پڑھنے کی بھی قابلیت ان میں پیدا کرے اور ان کو یہ بھی سکھائی کہ اس صنعت کامل نے عظیم الشان امور حقہ میں اپنی حکمت بالغہ و قدرت کاملہ دکھائی ہے۔

یہ باتیں جب ہی ہونگی کہ سلطنت علم کو پھیلائے اور تعلیم کو وسعت دے جس سے اسکی رعایا قانع۔ تابع۔ خوشدل۔ صلح جو۔ امن خواہ ہو جائیگی!

باب چہارم

انتظام خانہ داری کے قواعد

انتظام خانہ داری کے قواعد نہایت سیدھے سادھے ہیں اول قاعدہ یہ ہے کہ آمد سے خرچ کم رکھا جائے ہمیشہ آمدنی کا ایک حصہ آئندہ کے لئے بچایا جائے جو شخص اپنی آمدنی سے خرچ زیادہ رکھتا ہے وہ بیوقوف ہوتا ہے۔ دیوانی کے قوانین کے موافق مسرف اور دیوانے یکساں سمجھے جاتے ہیں۔ اکثر عدالت ان کے ہاتھ سے انتظام ریاست چھین لیتی ہے۔

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ ہمیشہ چیزوں کو نقد خرید و کسی حال میں قرض کا حساب جاری رکھو جو شخص قرضدار ہو جاتا ہے وہ اوروں کے دھوکے میں آتا ہے۔ اور خود بھی سچا نہیں رہتا

جو شخص اوروں کا دین دیتا ہے وہ اپنے تئیں دولتمند بناتا ہے۔
تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ جن فائدوں کا ملنا یقینی نہ ہو فقط احتمالی ہو۔ جبتک وہ حاصل نہ ہوں پہلے سے انہیں خرچ نہ کرو۔ فائدے ہمیشہ آدمی کو اپنے خیال و امید کے موافق نہیں حاصل ہوا کرتے۔ صرف ان کی امید پر خرچ کرنا تم کو ایسا قرض میں پھنسائیگا کہ عمر بھر اس سے نکلنا دشوار ہوگا۔
چوتھا قاعدہ یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی آمد و خرچ کا حساب رکھا کرو۔ منتظم پہلے سے جانتے ہیں کہ ہم کو کیا کیا چیزیں درکار ہونگی اور وہ کیونکر حاصل ہونگی۔ وہ اپنے گھر کی آمد و خرچ کا تخمینہ پہلے سے تیار کرتے ہیں۔ جسمیں آمدنی سے خرچ کم رکھتا ہے۔
پانچواں قاعدہ یہ ہے کہ ہمیشہ مالک خانہ کی نظر اس پر رہی کہ کوئی چیز اکارت نہ جائے ہر چیز جسطرح کام میں آنی چاہئے اس طرح کام میں آئے اور اپنے موقع پر رکھی رہی اور تمام کام سلیقہ اور انتظام کے ساتھ کئے جائیں اس سے بڑے آدمیوں کی شان میں بٹا نہیں لگتا کہ وہ اپنے کاموں پر خود متوجہ ہوں۔ اور اور آمدنی والوں پر تو یہ واجب ہے کہ وہ سب چیزوں کی خود نگرانی کریں بغیر اسکے تو ان کا کام چلنے کا نہیں۔
یہ مقرر کرنا مشکل ہے کہ آمدنی کا کونسا حصہ بچایا جائے وہ آدمیوں کی حالت پر موقوف ہے کوئی کہتا ہے کہ آمدنی کا آدھا حصہ بچانا چاہئے۔ کوئی کہتا ہے کہ تہائی حصہ مگر چھوٹے حصے سی لیکر دسویں حصہ تک بہ آسانی بچ سکتا ہے۔ بہرحال بہت بچانا بہت خرچ کرنے سے اچھا ہوتا ہے۔ بہت بچانے سی جو برائی پیدا ہوگی اس کا علاج تو ہو سکتا ہے مگر جو بہت خرچ کرنے سے برائی پیدا ہوگی وہ لاعلاج ہے۔ جب اہل و عیال کی کثرت ہو تو زیادہ بچانا بہتر ہوگا۔
امیر غریب ادنی اعلی متوسط سب کے لئے یہ انتظام ضروری ہے۔ بغیر اس انتظام کے کوئی شخص سخی ہو سکتا ہے نہ دنیا کے خیرات کے کاموں میں شریک ہو سکتا ہے اگر ایک شخص اپنی کل آمدنی خرچ کر ڈالے تو وہ دوسرے کی مدد کیسے کر سکتا ہے وہ تو اپنی اولاد کی تعلیم بھی اچھی طرح نہیں کر سکتا اور نہ انکی حالت ایسی بنا سکتا ہے کہ وہ اپنے کام کا آغاز اچھی طرح کریں۔ مسلمانوں کے کل فرقوں میں علی العموم یہ وبا پھیلی ہوئی ہے کہ وہ آمد و خرچ کو برابر رکھتے ہیں۔ یا خرچ کو آمد سے بڑھا دیتے ہیں

ان میں اعلیٰ درجہ کے آدمی زیادہ تر اپنی نمود و نمائش و شان پر مرتے ہیں وہ اپنی عزت کی بقا اسی میں جانتے ہیں کہ بڑے عالیشان مکان رہنے کو ہوں۔ سواریاں۔ گھوڑے۔ گاڑیاں کپڑے نہایت عمدہ چڑھنے کے لئے ہوں۔ دعوتوں کے جلسے رقص و سرود کی محفلیں نہایت تکلف سے ہوتی رہیں انجام اس ناعاقبت اندیشی کا یہ ہوتا ہے کہ وہ شکستہ دل مایوس ہو جاتے ہیں انکی ہمتیں اور اولوالعزمیاں سب خاک میں ملجاتی ہیں پھر یہ برائی اعلیٰ درجہ کے آدمیوں میں سے متوسط درجہ کے آدمیوں میں نازل ہوتی ہے جیسے بندر آدمی کی نقل اتاتا ہے متوسطین بھی اعلیٰ درجہ کے آدمیوں کی نقل اتارنے میں مکانوں کی آرائش و لباس کی زیبائش اور اسباب کی نمود میں انکی برابری کرتے ہیں پھر ان متوسطین کی نقل کا خبط ادنیٰ میں بھی پھیلتا ہے۔ وہی مثل ہوتی ہے کہ کوا چلا ہنس کی چال وہ اپنی چال بھی بھولا۔ نمود و نمائش کی طغیانی اور ہمسری کی ہوس انمیں ایسی پھیلی ہوئی ہے کہ ہزاروں کو تباہ و خراب کرتی ہے اور گدائی کراتی ہے۔ مسلمانوں کی یہ کج فہمی ہے جو وہ یہ جانتے ہیں کہ ہم کفایت شعاری کو بغیر رنج و تکلیف اٹھانے کے نہیں اختیار کر سکتے ہیں وہ اپنی آنکھوں سے ان ہزاروں شہادتوں کو ہندوؤں میں نہیں دیکھتے کہ نہایت کم آمدنی والے کیسی خوبی و کامیابی سے کفایت شعاری کو نبھاتے ہیں طمع و حرص و بخل کی وجہ سے دولت کا جمع کرنا اور بات ہے اور کفایت و انتظام کے سبب سے دولت جوڑنا اور بات ہے۔ ان دونوں میں اختلاف ہے۔ منتظم کسی چیز کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ بخیل کنجوس کسی چیز کو خرچ نہیں ہونے دیتا۔ سب کو بچاتا ہے۔ کنجوس کی خوشی صرف دولت کے جمع کرنے میں ہے۔ منتظم کی خوشی ہے اپنے چین و آرام کے روپیہ خرچ کرنے میں اور بعد اس خرچ کے جو بچے آیندہ زمانہ کے لئے جمع کرنے میں۔ حریص طامع عبد زر بنتا ہے سونے کا بچھڑا بنا کے اسکے آگے سجدہ کرتا ہے اس کو اپنا خدا جانتا ہے منتظم کفایت شعار زر کو اپنی اور اپنے متعلقین کی خوشدلی کا آلہ اور وسیلہ سمجھتا ہے۔ بخل کی ہوس کبھی بھرتی نہیں وہ دولت جوڑے چلا جاتا ہے جسکو کبھی خود خرچ نہیں کریگا۔ بلکہ اپنے پیچھے مسرفوں کو اڑانے کے لئے چھوڑ جائیگا۔ برخلاف اسکے منتظم کفایت شعار دنیا کے آرام اور دولت کے ایک حصہ کے حاصل کرنے کا قصد کرتا ہے اور اس سے غرض دولت کا جوڑنا نہیں ہوتی۔ غرض بوڑھا ہو یا جوان اسکا فرض یہ ہے اپنی آمدنی کے خرچ کا منتظم ہو۔

اس غرض سے نہیں کہ دولت کا ڈھیر لگائے بلکہ اس لئے کہ یہ تھوڑی سی بچت زندگی میں اپنے اور بعد مرنے کے اوروں کی خوشدلی اور بہبودی میں کام آئے۔

کسی عمدہ مقصد کے لئے دولت بچانے میں کوشش کرنی گو اس ہیچ ومی آخر کو ہو آدمی کو معزز کرتی ہے فقط اس کوشش ہی سے آدمی میں یہ خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں دل خوب باقاعدہ ہوشیار منتظم ہو جاتا ہے فضولی اور زیادہ خرچی پر فتح ہوتی ہے۔ برائیوں پر غالب ہونے سے نیکی پیدا ہوتی ہے۔ جذبات نفسانی مغلوب رہتے ہیں تردد دور ہوتا ہے۔ راحت ملتی ہے بچت کا روپیہ خواہ کتنا ہی تھوڑا ہو وہ بہت سے آنسوؤں کو پونچھتا ہے۔ اسکے بغیر جو رنج و دلتنگی ہمکو گھیرتی وہ نہیں گھیرتی جس شخص پاس تھوڑی پونجی بھی ہوتی ہے وہ ہلکے قدموں چلتا ہے اور اُسکے دل میں ایسی قوت ہوتی ہے کہ وہ خوشی کے مارے اچھل اچھل پڑتا ہے جب اُس کا کام یا پیشہ چلنے سے تھم جاتا ہے یا کوئی اور آفت اُس کے سر پر آجاتی ہے تو وہ اُسے جھیل لیتا ہے ایسے کڑے وقت میں یہ سرمایہ اس کو سہارا دیتا ہے اور گرنے نہیں دیتا۔ ہوشیاری کے ساتھ منتظم ہونا آدمی کو معزز و مکرم بناتا ہے زندگی راحت و آرام سے گذرتی ہے۔ پیرانہ سالی عزت و آبرو ہوتی ہے۔ جب مہربان منتظم عالم کو اپنی جان حوالہ کرتا ہے تو روح کو یہ تسکین ہوتی ہے کہ میں نے دنیا میں اپنی سوسائٹی پر اپنا بار نہیں ڈالا۔ بلکہ اس کی عزت و فخر کا سبب ہوا۔ اور اب جو دولت میں چھوڑے جاتا ہوں اگر اولاد میرے پیرو ہو تو ساری عمر فارغ البال خوش دل مستغنی اس دولت سے رہ سکتی ہے۔

آدمی کا سب سے اوّل فرض یہ ہے کہ وہ اپنی تعلیم اپنی ترقی کرے اور اپنے تئیں سرافراز و سربلند کرے اور اسی اثنا میں معقول ترکیبوں سے اپنے بھائیوں کی امداد کرے ارادہ کرنے اور کام کرنے کی بہت کچھ آزادی ہر متنفس کے اندر ہوتی ہے جسکا ثبوت یہ ہی کہ ہم گروہا گروہ آدمیوں کو دیکھتے ہیں کہ اُن کی زندگی میں جو آفات و مصائب و بلائیں پیش آتی ہیں اُس سے خوب لڑتے ہیں اور فتح پاتے ہیں اور اپنے تئیں ادنی حالت سے اعلیٰ حالت پر پہنچاتے ہیں مفلس سے تونگر ہو جاتے ہیں ذلیل سے جلیل بنجاتے ہیں گویا وہ یہ بتا رہے ہیں کہ دُنیا میں جیسے مستعد مستقل اپنے کام میں کس طرح سرافراز ہوتے ہیں اور ترقی کرتے ہیں اور پیش قدم ہوتے ہیں یہ ایک امر واقعی ہے کہ

انسانیت کی بزرگی۔ گروہوں کی شان و عظمت اور قوموں کی قوت ان کے امتحانوں اور مصائب و مشکلات کے مقابلہ کرنے اور مغلوب کرنے کا نتیجہ ہوتا ہے۔

ایک شخص اپنا عزم مصمم کر لے کہ میں آگے بڑھوں گا اور وہ قدم اٹھا کے آگے رکھ بھی لے۔ یہ اول قدم بڑھانا آدھی لڑائی لڑنا ہے اس قدم بڑھانے سے وہ اوروں کو آگے بڑھنے کا طریقہ ایسا بتلاتا ہے جو ممکن ہو اور نہایت اچھا اثر رکھتا ہے۔ وہ خود ایک مثال بنتا ہے جو اپنا سبق بپیرایہ فصاحت و بلاغت نہایت شد و مد سے وہ سکھاتی ہے جو کبھی الفاظ نہیں سکھا سکتے وہ اپنے عمل سے اوروں میں تحریک یا اتباع کی پیدا کرتا ہے وہ ایک ابتدا کر کے اوروں کو اپنی اصلاح اور اپنی ترقی کرنے کا فرض سمجھاتا ہے اگر بہت سے شخص اسکے کہنے پر عمل کریں تو ایک گروہ دانشمند اور خوشدل پیدا ہو جائے۔ گروہ افراد سے مرتب ہوتا ہے ان افراد ہی کی خوشحالی اور بدحالی پر اس گروہ کی خوشحالی اور بدحالی موقوف ہوتی ہے۔

ابتداء آفرینش سے یہ شکایت چلی آتی ہے کہ کل آدمیوں کی حالتیں مساوی کیوں نہیں سقراط نے یہ سوال کیا تھا کہ کیا وجہ ہے کہ بہت سے آدمی ایسے تونگر اور غنی ہوتے ہیں کہ ان کے پاس کچھ بچ رہتا ہے اور بہت سے ایسے مفلس ہوتے ہیں کہ محتاج کو بھی محتاج ہوتے ہیں اور قرضدار رہتے ہیں تو اس کا جواب دوسرے حکیم نے یہ دیا تھا کہ پہلی قسم کے آدمی اپنے کاموں میں سرتاپا مصروف رہتے ہیں اور دوسری قسم کے آدمی اپنے کاموں میں غفلت کرتے ہیں۔

آدمیوں کی عقلوں اور ارادوں اور مستعدیوں میں بڑا فرق ہوتا ہے جنکی صفتیں نیک ہیں وہ اتفاقات کے بھروسہ پر کام نہیں کرتے۔ بلکہ نیکی۔ ہوشیاری اور عاقبت اندیشی کے آسرے پر کام کرتے ہیں بیشک دنیا میں بہت سی ناکامیابیاں ہوتی ہیں۔ جو شخص اپنے اوپر بھروسا کر کے کام نہیں کرتا بلکہ اوروں کی امداد کا آسرا چاہتا ہے وہ ناکام رہتا ہے۔ جو شخص ہمیشہ اسراف کیا کرتا ہے وہ بھی ناکام رہتا ہے بخیل کنجوس۔ فضول خرچ۔ مسرف۔ ہمیشہ ناکامیاب رہتے ہیں بہت سے آدمی اس وجہ سے بھی ناکام رہتے ہیں کہ وہ کامیابی کا استحقاق نہیں رکھتے۔ وہ اپنے کام کو غلط طریقہ پر چلاتے ہیں اور تجربہ سے خواہ ان کو کسی قدر ہو اپنی ترقی نہیں کرتے قسمت پر جو لوگ بھروسا کرتے ہیں وہ جان لیں کہ اسمیں کچھ نہیں رکھا۔ قسمت تو معاملات دنیا کو خوش انتظامی

کرنے کا نام ہے۔ ایک عاقل کہا کرتا تھا کہ میں کسی بدنصیب آدمی کو نوکر نہیں رکھتا۔ جس سے مطلب یہ تھا کہ میں اس شخص کو نوکر نہیں رکھتا کہ وہ علی الاتصال شکست کھاتا ہو اور تجربہ سے فائدہ نہ اٹھاتا ہو۔ گذشتہ ناکامی آیندہ کی ناکامی کے لئے ایک پیشین گوئی ہوتی ہے۔

بعض نہایت لائق اور قابل آدمی منصوبہ و تدبیر سے ناآشنا ہوتے ہیں نہ وہ اپنی حالت کو زمانہ کے حالات کے مطابق بناتے ہیں نہ ان کا اقتضا کو جانتے ہیں چوڑی طرف سے آہنی میخ ٹھونکنے پر اصرار کرتے ہیں وہ اپنے آگے دیواریں کھینچتے ہیں جن پر اُن کے ہی سر ٹکراتے ہیں وہ ایسی بڑی بڑی تیاریاں اور پیش بندیاں کرتے ہیں کہ ان سے انکا مقصود ہی مفقود ہو جاتا ہے وہ خندق پر ذرا اچھی طرح بھر کے پار جانے کے لئے اس سے دور اتنے چلے جاتے ہیں کہ جب وہاں سے بھاگتے آتے ہیں تو خندق کے دوسرے کنارہ پر اُن کا دم ایسا بھر جاتا ہے کہ ہانپتے ہوئے دم لینے کے لئے وہاں بیٹھ جاتے ہیں۔

دُنیا میں کامیابی کی خواہش کرنی اور دولت کے جوڑنے کی تمنا رکھنی اپنے فائدوں سے خالی نہیں بے شک انسان کے دل میں جو یہ خواہش جگہ پکڑتی ہے تو وہ بڑے کاموں سے کہیں زیادہ بھلے کاموں کے لئے ہوتی ہے۔ یہ خواہش قوم کے نوزاد کرنے اور نیا جنم لوانے کے آلات میں سے بڑا زبردست آلہ ہے۔ وہی ہر شخص میں ستعدی اور چستی و چالاکی کی بنیاد جاتی ہے جہازرانی اور تجارت کی اُلوالعزمیوں کی ابتدا اسی سے ہوتی ہے۔ محنتی جفاکش غنی۔ ہونے کی افتاد اسی سے پڑتی ہے وہی آدمی کو محنت۔ ایجاد بہتر و بہتر ہونے پر مجبور کرتی ہے۔ کاہل اور مسرف کبھی بڑے آدمی نہیں ہوتے۔ دُنیا میں وہی آگے بڑھتے ہیں جو اپنے وقت کا ایک لمحہ ضائع نہیں کرتے۔ اور تحصیل علم اور علوم و فنون اور ایجادات سے سروکار رکھتے ہیں شرائط زندگی میں بعض قسم کی محنتیں داخل ہیں۔ یہ بت پرستوں کا بہت پرانا خیال چلا آتا ہے کہ جو چیز عمدہ تھی اسکی قیمت دیوتاؤں نے محنت مقرر کی ہے۔ یہی خیال تمام خدا پرستوں کو بھی رکھنا چاہئے ہم آگے بتلائینگے سرا ایک چیز کا مدار دولت کے جمع کرنے پر کس قدر ہے۔ ایک قبر پر نوجوان مع اگر ولی کی زندگی بسر کرنے کے لئے یہ ہدایتیں لکھی ہوئی تھیں۔

محنت شرائط زندگی میں سے ایک ہے۔

وقت زر ہے اسکا ایک لمحہ ضائع نہ کرو اسکا ساتھ رہو۔
تم تمام آدمیوں کے ساتھ وہ کام کرو جو تم چاہتے ہو کہ وہ تمھارے ساتھ کریں
کار امروز بہ فردا مگذار۔
جو کام خود کر سکو دوسرے کو سے حوالہ نہ کرو۔
جو تمہارا نہیں ہے اسکا لالچ نہ کرو
کسی چیز کو حقیر ایسا نہ جانو کہ اس کو ایسا بھی نہ سمجھو صرف اسکی اطلاع ہو۔
اس چیز کو باہر نہ جانے دو جسکو اندر نہ لا سکو۔
کسی چیز کو خرچ نہ کرو مگر اپنی کمائی کو۔
اپنی زندگی کے کاموں کا نہایت اعلیٰ درجہ کے انتظام سے بندوبست کرو۔
اپنی زندگی کا محاسبہ اس طرح لیتے رہو کہ اس سے زیادہ تر اچھی ہی کام تم سے سرزد ہوں۔
جو چیز تمھارے تئیں آرام دے اس سے اپنے تئیں محروم نہ رکھو مگر نہایت عزت و آبرو و سادگی و
کفایت شعاری کے ساتھ زندگی بسر کرو۔
آخر دم تک محنت کئے جاؤ۔
ایسا انتظام کرنا بہت سے آدمیوں کے اختیار میں ہوتا ہے کہ وہ ایام نحوست و شامت کو اپنے
اوپر نہ آنے دیں اور افلاس و ناداری کو پرے ہی روک دیں۔ یہ کام دو طرح سے ہوتا ہے
ایک خاص اپنی ذاتی کوشش سے دوم اصول شراکت عملی کی وسعت دینے سے۔ جب بہت
سے غریب مفلس تنگ دست آپس میں ساجھی ہو جاتے ہیں اور اپنے مقدور کے موافق سرمایہ
کو یکجا کر کے کسی کام میں لگاتے ہیں تو بہت طرح سے افلاس کے دباؤ سے انکا بچاؤ ہو جاتا ہے اور
جسمانی بہبودی ہو جاتی ہے اور قومی ترقی بھی ہوتی ہے۔ ایک اکیلا آدمی اپنی ذاتی کوشش
اپنے گروہ کی بہت تھوڑی ترقی کر سکتا ہے اور نہایت کم آگے بڑھا سکتا ہے لیکن جب وہ اپنے
ہمجنسوں کو ساجھی بنا لیتا ہے تو بہت کچھ کام کر سکتا ہے اجتماع میں بڑی قدرت ہوتی ہے
تمام مہذب ملکوں میں یہ ساری شائستگی اور تہذیب اجتماع کے اثر سے پیدا ہوئی ہے۔
مل صاحب لکھتے ہیں کہ حیوان سے جتنے زیادہ فائدے انسان کو حاصل ہیں وہ فقط اسی بات

سے ہیں کہ انسان اپنے ہم جنسوں کو جمع کرکے بالاجتماع کوشش کر سکتا ہے کہ ہر متنفس کی جداجدا
کوشش سے ایسے کام تمام نہیں ہوتے جیسے کہ متعدد اشخاص کے مشترک ہو کر کوشش کرنے
سے ہوتے ہیں۔
مشارکت عملی قومی اتفاق کا بڑا گر ہے۔ اسی کے وسائل سے معاشرت انسانی کے سارے مشکل سوال
عقدے معمے حل ہوتے ہیں۔ بھلے اور برے کام کرنے کے لئے ضرور ہے کہ آدمی بالاجتماع
اپنی کوششوں میں مشارکت کریں معاشرت کا بہترین نظم و نسق یہی ہے کہ عام بھلائی کے
لئے کامل انتظام سب طرح کیا جائے۔
مہذب ملکوں میں متوسط درجہ کے آدمیوں نے اصول اجتماع و اتفاق کو بکثرت استعمال
کرکے اپنی بڑی ترقی کی ہے۔ انگلستان کی قوت جو ایسی جلد بڑھ گئی اسکا سبب یہی ہے کہ وہاں
جتنے آدمی مستعد اور چست و چالاک ہوتے ہیں وہ آپس میں متفق ہو کر بالاجتماع کام نہایت
مستعدی اور حفاظت سے کرتے ہیں اگر کوئی حملہ ہو تو اسکے ہٹانے میں سب متفق نہایت مستعدی
سے ہوتے ہیں اگر کسی برائی کا دور کرنا منظور ہو تو وہ سب ملکر اسکے دور کرنے میں کوشش کرتے
ہیں تجارت کے لئے اشیاء صنعت بناتے ہیں نہریں تیار کرتے ہیں ریلیں بناتے ہیں گاس کمپنی سازی
اور بنک قائم کرتے اور بیمہ کی کمپنی بناتے ہیں غرض ان سب کاموں کے واسطے وہ متفق ہو کر
نہایت محنت و جفاکشی سے کام کرتے ہیں وہ اپنے تھوڑے تھوڑے سرمایہ کو جمع کرکے ایک
بڑا سرمایہ بناتے ہیں اور پھر اس سے کارہائے عظیم کو سرانجام دیتے ہیں۔
انگلستان میں جیسے بڑے بڑے کارخانے تجارت صنعت بینج بیوپار وغیرہ کے ہیں وہ
متوسط درجہ کے آدمیوں کی مشارکت عملی اجتماعی کوشش کے نتیجے ہیں ساری جائنٹ
سٹوک کمپنیاں۔ ریل وے۔ ٹیلیگراف۔ کاموں اور صنعتوں کے کارخانے متوسطین کی کمائی
کی بچت کے جمع ہونے سے بنائے گئے ہیں وہاں ادنے درجہ کے آدمی بھی اپنی استطاعت کے
موافق ان متوسطین کی پیروی کرتے ہیں وہ سب متفق ہو کر کمانے اور بچانے میں کوشش کرتے
ہیں اور اپنی کمائیوں کی بچتوں کو اکٹھا کرکے ساجھی ہو کر ایسے کارخانے جاری کرتے ہیں کہ
وہ اپنے آپ آقا ہو جاتے ہیں۔

روپیہ کماتا۔

افسوس ہے کہ ہمارے ملک میں مشارکت عملی کا چرچا بہت ہی کم ہے ہم آپس ایک دوسرے کا اعتبار نہیں کرتے۔ آپس میں حسن ظن نہیں رکھتے متفق ہوکر مشارکت عملی کے اصول کام میں نہیں لاتے۔ نہ جائنٹ سٹوک کمپنیاں نہ اور قسم کی ایسی سوسائیٹی یہاں ہیں۔ کچھ کچھ وہاں سننے میں آتی ہیں جہاں تعلیم کا چرچا زیادہ ہے جیسے بمبئی کلکتہ وغیرہ میں یہ خانگی کلوں کے بنانے کا رواج بہت ہیں۔ بعض شہروں میں کپڑے کاغذ وغیرہ بنانے کے کارخانے جاری ہوئے ہیں یہ تو سب جانتے ہیں کہ کلیں تو کسی کی تعظیم و تکریم کرتی نہیں وہ تو اپنی خدمت گذاری اور نفع رسانی میں کچھ تعصب نہیں رکھتیں انگریز اور ہندوستانیوں دونوں کو فائدہ پہنچانے میں یکساں ہیں مگر وہ یہ چاہتی ہیں کہ ہم جسکی خدمت کریں وہ ہمارا درست طور پر استعمال کرنا اور ہماری قوتوں کا علم کما حقہ جانتا ہو۔ سو ہم کو نہ انکا استعمال ٹھیک طور سے آتا ہے نہ اُن کے قوا کا علم جانتے ہیں غرض اس ملک کی دولت کی ترقی جبتک نہیں ہوسکتی کہ ہم میں مشارکت عملی کا اصول نہ جاری ہو۔ اور اجتماعی کوشش کا رواج نہ ہو۔ اجتماع میں ساری قوت قومی ہوتی ہے۔

ہماری غرض کمائی میں سے بچانے اور بچت کے جوڑنے سے کسی کا بخیل اور کنجوس بنانا مدنظر نہیں ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ وہ بچت اس وقت کام آئے کہ ہاتھ پاؤں کام کرنے سے جواب دیں جیسے کہ بڑھاپے اور بیماری میں یا بعض اور حادثات کی حالت میں۔ سوا اس کے ان بچتوں کو یکجا جمع کرکے ہم سب متفق ہوکر بالاجتماع ایسے کارخانے جاری کریں کہ جس سے تمام خلائق کو فائدہ پہنچے اور اس بچانے کی عادت کے سبب سے فضول خرچیوں اور برائیوں سے ہم بچیں۔

باب پنجم ۵

انتظام خانہ داری کے لئے جان کا بیمہ کرانا۔

مہذب ملکوں میں مشارکت عملی کی دو ایسی صورتیں ہیں کہ جنکو ہم ہندوستانیوں نے آج تک انگلی بھی نہیں لگائی۔ انمیں سے ایک لائف انشیورنس ہے یعنے جان کا بیمہ کرانا۔ اس میں بیمہ کرانے والے کے بال بچوں کے گذارہ کا انتظام بعد اسکے مرنے کے کیا جاتا ہے۔ دوسرے فرینڈلی

سوسائٹی ز انجمن دوستانہ) ہی جسمیں غریب اہل حرفہ و پیشہ وروں وغیرہ کے اہل عیال کے گذارہ کا انتظام بعد ان کے مرنے کے اس طرح کیا جاتا ہے کہ کچھ روپیہ اُن کو دے دیا جاتا ہے پہلا انتظام اعلیٰ و متوسط طبقوں سے اور دوسرا ادنیٰ طبقہ سے متعلق ہے۔

تدبیر چاہئیں کہ آدمی اپنے متعلقین اور وابستگان کے لئے اتنا روپیہ بچاکر جوڑے کہ ان کے گذارہ کے لئے کافی ہو۔ جو سرمایہ اس کام کے لئے جمع کیا جاتا ہے اُس میں اندیشہ ہمیشہ یہ لگا رہتا ہے کہ وہ کسی خرچ میں نہ آجائے۔ اکثر آدمی موت کو اپنے سے دور سمجھتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ جو روپیہ اپنی جمع پونجی میں سے خرچ کیا ہے اسکے پھر جمع کرنے کے لئے ہم جیتے رہینگے اور اس سے زیادہ جوڑ لینگے۔ اسلئے روزانہ و ہفتہ وار ماہوار۔ بچت کے جمع کرنے پر اعتماد نہیں ہوسکتا کہ وہ اہل عیال کے گذارہ کے لئے کام آئیگا۔

لائف اینشیورنس سوسائٹی (جان کے بیمہ کرنے کی سوسائٹی) میں جو شخص شریک ہوتا ہے تو وہ اپنی حالت کے موافق جو اکثر مختلف ہوتی ہیں اپنی سہ ماہی کی بچت کو اس سوسائٹی کے فنڈ میں جمع کرا کے بیمہ کراتا ہے جسکو وہ اپنے مطلب کے لئے کافی جانتا ہے۔ پس جس وقت اوّل ماقبل قسط کو وہ ادا کرتا ہے تو اُسکا پورا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر اس اول قسط کے بعد ہی دوسرے روز مرجائے تو جسقدر سرمایہ کے لئے بیمہ کرایا گیا ہے وہ اس کے بیوی بچوں کو ملجائیگا۔ مثلاً ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے بیوی بچوں کے گذارہ کے لئے دس ہزار روپیہ کافی ہوگا تو وہ اپنی جان کا بیمہ اس طرح کرائیگا کہ وہ اٹھتالیس روپیہ سال تا دم مرگ دیا کرے تو مرنے کے بعد اسکے بیوی بچوں کو دس ہزار روپیہ ملجائینگے۔ اب وہ دوسرے ہی روز پہلے سال کی قسط دینے کے بعد گیا تو اسکے بیوی بچوں کو دس ہزار روپیہ ملجائینگے۔ اور اس طرح ایک ہی قسط میں اسکا اپنا مقصد حاصل ہو جائیگا۔ اگر وہ دس ہزار روپیہ جوڑتا تو مدتوں میں جُڑتے اور ان کے خرچ ہو جانے کا بیچ میں اندیشہ تھا

اس انتظام سے سوا اس کے کہ آدمی اپنے پس ماندوں کے گذارہ کے فکر سے چھوٹ جاتا ہے اسکے اخلاق میں یہ تحریک بھی ہوتی ہے کہ وہ منتظم و مآل اندیش ہونے کو

اپنے اوپر فرض جاننے لگتا ہے یہ نیکیاں اس جان کے بیمہ کی بدولت ہی عمل میں آتی ہیں
اور اسکے بڑے صلے ملتے ہیں۔ اس کا ادنیٰ فائدہ ایک یہ ہے کہ جب کوئی ہوشیار بیماری
لے بستر پر پڑتا ہے یا موت اس کے پاس آنے کو ہوتی ہے تو اسکے دل میں یہ
اطمینان اور تسلی ایسی ہوتی ہے کہ میں اپنے بیوی بچوں کو ایسی حالت میں نہیں چھوڑتا
کہ میرے مرنے کے بعد اُن کا گذارہ نہ ہو کہ وہ اپنے یگانوں عزیزوں پر اپنا بوجھ
ڈالیں یا بیگانوں سے بھیک مانگیں یا محتاج خانوں اور خیرات خانوں میں پڑے
پھریں یہ تسلی اس کے مرض کی تکالیف کو کم کرتی ہے اور دوا کا کام دیتی ہے برخلاف
اسکے اگر یہ خیال ہو کہ معلوم نہیں میرے مرنے کے بعد بیوی بچوں کا کیا حال ہوگا انکا
گذارہ معلوم نہیں کس طرح ہوگا۔ کوئی انکے سر پر ہاتھ دھریگا یا نہیں تو اس سے دل پر
صدمہ ہوتا ہے اور مرض دگنا ہوتا ہے۔ مرد عورتوں کی طرح روتا ہے۔ بہت سے
آدمیوں کو ہم سنتے ہیں اور بعض کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے گروہ میں نہایت جفاکش اور نفیس
زباں ہوگئے۔ مگر جب مر گئے تو اپنے بیویوں بچوں کو ایسا مفلس چھوڑ گئے کہ نہ پیٹ کو
روٹی ہے نہ بدن پر کپڑا ہے۔ انھوں نے آمد و خرچ برابر رکھا۔ خرچ کو آمد سے نہیں بڑھایا
تونگرانہ زیست بسر کی۔ عالی شان مکانوں میں کرایہ دے کر رہے۔ اونچی اونچی آدمیوں
سے برابر کی ملاقاتیں رکھیں۔ میلوں نمائشوں میں تفریح کے لئے گئے۔ انھوں نے اپنے
بچوں کی تربیت ایسی کی کہ جس سے ان کو معززانہ زیست کا خیال پیدا ہوا۔ موت انکو
آگئی اب بتائیے کہ بال بچوں پر کیا گذری؟ باپ نے ایسا انتظام کسی قسم کا نہیں کیا کہ
انکے مرنے کے بعد اولاد کا گذارہ ہوتا۔ اگر وہ اپنے آمدنی سے بچا کر دو ڈھائی سو روپیہ سالانہ
لائف ایشیورنس سوسائٹی کو دیتے تو بیواؤں اور یتیموں پر کمیوں روز نحوست یا تا
کردہ اللہ نکالنے بیٹھے ہیں۔

ایسا طریقہ فقط بدنظمی و ناعاقبت اندیشی ہی نہیں ہے بلکہ نہایت درجہ کی بے رحمی و
سنگدلی ہے۔ دُنیا میں جو شخص کنبے کے وجود ظاہری کا سبب ہوا اور وہ اُن میں نفس ناطقہ
پیدا کرے اور آسائش اور آرام کا عادی بنائے تو اسپر واجب ہے کہ اُسکا سامان اپنے پیچھے چھوڑ جائے اگر یہ ساری باتیں اسکی گنجی

ہو جائیں تو ان بیکس منحوست و شامت آ گھیرتی گر گیا وہ اپنے گذارہ کے لئے خدمت گاری کریں یا جیتیاں اٹھائیں چھپیں پھریں۔ یا کسی کارخانہ میں بیٹھیں کوئی ذلیل کام سیکھیں یا جیلخانہ بھیجا جائیں یا گلیوں میں بھیک مانگیں رشتہ داروں کی دست نگر ہوں۔ چندہ و خیرات کے متوقع ہوں ایسی حالتوں کے پیدا کرنے والے اپنے گروہ کے اور ان کم نصیب مصیبت زدوں کے مجرم قصوروار ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہماری ملک میں زیادہ تر آدمی ایسے ہیں کہ وہ جان کے بیمہ کرانے کے مقدور نہیں رکھتے۔ مگر جنہیں مقدور بھی ہے وہ روپیہ کو اور طرح سے بیج بیوپار سود بیٹے میں لگاتے ہیں یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ زندگی کا بھروسہ نہیں سکتا ہے موت اس سے پہلے آجائے کہ اہل عیال کے لئے سرمایہ کافی جمع ہو۔

جان کے بیمہ کرانے میں یہ خوبی ہے کہ خاطر جمع رہتی ہے کہ اولاد کے کافی گذارہ کے لئے ہماری موت کے ساتھ موجود ہے۔ خواہ موت کسی وقت آئے + بیمہ کرانے والوں کا او عملی کیاں یوں ہو جاتا ہے کہ جو جلد مر جاتے ہیں ان کا کنبا ان کے روپیہ سے فائدہ اٹھاتا ہے جو دیر کر مرتے ہیں مگر اس وجہ سے ان زیادہ جینے والوں کو افسوس نہیں کرنا چاہئے کہ بیمہ کرانے والے ہمارے مرنے کے بعد ہمارے اہل و عیال کو اتنا روپیہ نہیں دینگے جتنا ہم خود جوڑ کر ان کے واسطے چھوڑ جاتے اس لئے کہ ان کو یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ اگر یہ روپیہ ہماری تھیلیوں میں ہوتا تو معلوم نہیں ہم اس میں سے کتنا کھا پی جاتے۔ یا فضول کاموں میں خرچ کر ڈالتے۔ جب آدمی کے پاس روپیہ ہوتا ہے تو وہ اسکے اٹھانے میں بہت پس و پیش نہیں کرتا۔ جب آگ سے جلنے اور پانی میں ڈوبنے کے خوف سے مال کا بیمہ کرایا جاتا ہے تو جان کا بیمہ بیماری اور مرگ ناگہانی کے خوف سے کیوں نہ کرایا جائے۔ جیسے مال کے آگ اور پانی سے تلف ہونے کے احتمالات ہیں اس سے زیادہ جان کے تلف ہونے کے احتمالات ہیں غرض جو دلائل اول کے لئے ہیں وہی دلائل دوم کے لئے بلکہ اس سے زیادہ۔ اور جیسی بیماری مال اندیشی اول میں ہے اس سے زیادہ دوم میں ہے۔ اس لئے کہ یہ آدمی کا فرض ہے کہ حتی الامکان وہ اپنے مرنے کے بعد بیوی بچوں کے گذارہ کا سامان چھوڑ جائے — زندگی میں یہ فرض ہے کہ خاوند بیوی کے لئے باپ اولاد کے لئے روزانہ روٹی کا

اور گذارہ کا انتظام کرے ایسے ہی مرنے کے بعد یہ فرض ہے کہ وہ ان کو بیچارگی اور مفلسی اور تنگدستی میں نہ چھوڑ جائے۔ کچھ نہ کچھ ان کے گذارہ کے لئے سرانجام کر جائے۔ اس مقصد کے واسطے سب سے زیادہ عمدہ معقول و فائدہ مند و بجا تدبیر یہ جان کے بیمہ کرانے کی ہے۔ پر سو کچھ افسوس ہے کہ ہمارے ملک میں اسکا رواج نہیں ہے۔ بہت ہی تھوڑے ہندوستانی ایسے ہونگے جنھوں نے جان کا بیمہ کرایا ہو۔ جو فارغ البالی اور اطمینان مرنے کے بعد اولاد کے گذارہ کا جان کے بیمہ کرانے میں ہے وہ کبھی اور صورت میں نہیں ہے۔

اب دوسری قسم مشارکت علمی جسکا اوپر بیان ہوا فرینڈلی یا بنی فٹ سوسائٹی (دوستانہ یا فائدہ پہونچانے والی انجمن) ہیں۔ یہ انجمنیں اپنی مشارکت علمی سے فائدہ عام خلقت عامہ کو یوں پہنچاتی ہیں کہ وہ غریبوں سے قلیل چندہ لیتی ہیں جس سے ان غریبوں میں کفایت شعاری کی عادت پڑتی ہے اور فضول خرچی کی آفت سے وہ بچتے ہیں اور جب چندہ دینے والے مرجاتے ہیں تو ان کے بال بچوں بیواؤں کو وہ کچھ روپیہ دیدیتے ہیں ایسی انجمنوں کا نام بھی ہمارے ملک میں کوئی نہیں جانتا جیسے کہ مہذب ملکوں کے عوام الناس نہال اور مالامال ہو رہے ہیں غرض ہمارے مشارکت علمی کی سرشتہ کارخانے چل نہیں سکتے۔ اس لئے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کا اعتبار نہیں کرتے۔ باہم حسن ظن نہیں رکھتے۔ باہم مشارکت علمی میں تندہی نہیں کرتے۔ کیسی ہی راستی صدق دلی سے بات کی جائے ہم اس پر بدگمانی ضرور کرتے ہیں آپس میں رشک و حسد بہت ہے۔ کسی کام میں دوسری کا فائدہ دیکھ نہیں سکتے۔ اجتماعی قوت کو کام میں نہیں لاتے بلکہ اسکو افتراق سے ضعیف و ناتواں کرتے ہیں۔ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا ہی بنانی چاہتے ہیں۔ اس لئے ہماری خانہ داری کے انتظامات مہذب ملکوں سے نہیں ہو سکتے۔ جبتک ہم ان عیبوں کو اپنے سے دور نہیں کرینگے اور متفق ہو کر بالاجتماع سعی و کوشش کی عادت نہ ڈالینگے کبھی دولت کمانے کا انتظام اچھی طرح نہیں کرسکینگے +

باب ششم

95088
13-9-88

سیونگس بنک (بنک جس میں آدمی اپنی آمدنی کا بچا ہوا روپیہ جمع کیا جائے)

(۱) میں چاہتا ہوں کہ سارے آسمان پر سونے کے حرفوں میں یہ ایک لفظ لکھ دوں سیونگس بنک۔

(۲) غریب آدمیوں کی امداد کا اس سے بہتر کوئی گر نہیں ہے کہ اُن میں اپنی حالت کی بہتری کرنے کی لیاقت پیدا کر دی جائے۔

(۳) اے کاہل آدمی چیونٹی کے پاس جا اُسکی روشیں دیکھ اور دانش حاصل کر باوجودیکہ اسکا کوئی سردار اور نگراں اور حاکم نہیں۔ دروکے وقت وہ اپنے واسطے خوراک جمع کرتی ہے اور گرمی کے موسم میں اُسے کھاتی ہے۔

کہتے ہیں کہ ہر ایک گھر میں ایک قاق پنجر ہوتا ہے اور وہ مقفل رہتا ہے اور بہت سی نعمتوں میں چھپا رہتا ہے۔ بہت ہی کم وہ دکھائی دیتا ہے اس سے گھر کے رہنے والے جانتے ہیں کہ وہ ہے۔ مگر یہ قاق پنجر بہت دنوں تک اپنے تئیں چھپا نہیں سکتا۔ کسی نہ کسی طرح سے اُس کو اپنے تئیں ظاہر کرنا پڑتا ہے۔ یہ قاق پنجر کیا ہے؟ اکثر افلاس۔ بڑی سلطنت آدھی دنیا سے آدھی دنیا افلاس کو چھپاتی ہے۔ جب کوئی چیز جمع نہیں کی جاتی کہ وہ بیماری کے وقت کام آئے۔ بڑھاپے کے تکالیف میں تخفیف کرے تو یہ افلاس جو قاق پنجر کے بھیس میں چھپا ہوا تھا ظاہر ہوتا ہے۔ جب کسی ملک میں تجارت و بنج بیوپار کا بازار گرم ہوکے مندا پڑ جائے تو ہزاروں آدمی بیکار ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے پچھلے دنوں پھر آنے کی دعا مانگا کرتے ہیں مگر اس اثناء میں اُنکا گذارہ کس طرح ہوتا ہے؟ اگر ان کے پلے کچھ نہیں ہے اور کچھ سرمایہ بچا کر جمع نہیں کیا تو وہ اپنی پہلی حالت کی نسبت بالکل محتاج ہونگے۔ ان کی امداد کے واسطے گنج قاروں بھی کافی نہیں ہو سکتا بس ایسے وقت میں تو گذارہ فقط اُس بچت سے ہو سکتا ہے جو کام کے چلنے کے وقت وہ جوڑیں۔ اس بچت جوڑنے میں گو کیسا ہی قلیل فائدہ کا احتمال ہو۔ مگر اُنکی نقصان ذرا سا بھی نہیں ہے یہ بچت اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ قفل بند کر کے رکھی جائے یا اس سے کوئی بڑی تجارت کی جائے بلکہ وہ فقط اس لئے ہوتی ہے کہ جب بدنصیبی کے دن ستائیں تو وہ جمع ہاتھ لگے ہو جس سے سردست بُرے دن بھلی طرح کٹ جائیں نہ ہم روپیہ کی قدر فی نفسہ کرتے ہیں

ہم یہ چاہتے ہیں کہ آدمی ممسک و بخیل ہو کر روپیہ جوڑا کرے بلکہ ہم اپنے روپیہ کو تو اپنی زندگی بسر کرنے کا۔ آسائش و آرام کا۔ دیانت کے ساتھ مستغنی ہونے کا ذریعہ اور توسل سمجھتے ہیں اسی لئے ہم ہر عورت و مرد کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ ابتدا ہی سے اپنی آمدنی کے ایک حصہ کو بچا کر روزانہ یا ماہانہ جمع کیا کرے جس سے محتاجی و دریوزہ گری اور اوروں کی دست نگری کا خوف جاتا رہے ہر فرقہ کے عورت مرد اپنی مدد آپ کر سکتے ہیں ان کو اپنے اوپر آپ بھروسا کرنا چاہئے اوروں کا نہیں ہونا چاہئے۔ مثل مشہور ہے کہ اپنی جیب میں ایک پیسے کا ہونا دربار شاہی میں ایک دوست کے ہونے سے اچھا ہوتا ہے۔ اول مرتبہ ایک پیسہ کا بچانا دنیا میں ایک قدم بڑھاتا ہے۔ اس بچانے سے آدمی کی کسر نفسی مآل اندیشی ہوشیاری دانشمندی ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے خوشدلی کا بیج بویا جاتا ہے۔ اور غنی ہونے کی بسم اللہ پڑھی جاتی ہے

ڈاکخانوں کے سیونگس بنک کا نام سارے ہندوستان میں خاص و عام میں مشہور ہے اصل اس کی یہ ہے کہ اٹھارہویں صدی کے آخر میں انگلستان کے ایک بیرٹن میں ایک شریف عورت آسودہ حال مریم خصال کو یہ سوجھی کہ غربا کے بچوں میں جز رسی اور کفایت شعاری پیدا ہو اس نظر سے اول بنک اس قسم کا اس نے قائم کیا۔ پھر ایک پادری صاحب نے اس کی کامیابی دیکھ کر ایک بنک ۱۷۹۹ء میں کھڑا کیا اور اس کا یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جو غریب آدمی ان کے علاقہ کا اس بنک میں روپیہ جمع کریگا اس کو بڑے دن کے دن کل روپیہ جمع کیا ہوا اور اس کے ساتھ اس جمع کی تہائی اور اضافہ کرکے دی جائیگی۔ غرض جب اس بنک کو بھی کامیابی ہوئی تو ۱۸۰۱ء میں چند شریف مستورات نے ملکر ایک اور بنک اس قسم کا غریب مزدوروں پیشہ وروں کے لئے کھولا۔ غرض مذہبی خیال سے ایسے بنک قائم ہوتے رہے کہ جن کے سبب سے غربا میں جز رسی اور کفایت شعاری کی عادت پڑی اور شراب خواری اور اسراف کی بری عادت چھوٹی۔

قاعدہ ہے کہ بہت سے مزدور اور غریب آدمی علماء مذہبی کے دلائل بھی نہیں سمجھتے مگر ایک تھوڑے عقل والے آدمی کو کوئی بات ایسی سمجھاؤ کہ جس سے اس کی بہبودی اور اس کے گھر کی بہتری ہو تو وہ سمجھ جاتا ہے اور اس پر عمل کرنے لگتا ہے چار پیسے ہاتھ لگنے کی بات

کوئی سمجھاتا ہے تو وہ سمجھ جاتے ہیں۔ اس لئے یہ غربا بنک میں روپیہ جمع کرنے کی بات
کو جلد سمجھ گئے اور اُس سے فائدے اٹھانے لگے۔ پادریوں کی کوشش سے بہت بنک
قائم ہوگئے اور غربا کو مآل اندیشی اور خانہ داری اور خوش سلیقگی سکھانے لگے۔ پادری بھی یہ
سمجھنے لگے کہ اس قسم کے بنک بنانے کا کارخیر اور طرح کی خیرات ومبرات سے اچھا ہے۔
ان کے سبب سے لاوارث بیواؤں اور یتیموں کو خیرات خانوں میں پالنا کم پڑتا ہے۔
رفتہ رفتہ ان بنکوں نے وہ رونق پائی کہ وہ ایک قومی معاملہ ہوگیا اور اسکی بابت ۱۸۱۷ء میں ایک
قانون گورنمنٹ سے پاس ہوا پھر اس طرح کے بنک سپاہ کے لئے ۱۸۴۲ء میں جا بجا مقرر ہوئے
جس سے سپاہیوں کو اپنی آئندہ حالت کے بہتر کرنے کا شوق ایسا پیدا ہوا کہ وہ لاکھوں
روپئے بنک میں جمع کرنے لگے۔ ایام غدر ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان سے جو پلٹنیں گوروں
کی ولایت کو گئیں ان کے لاکھوں روپے ان بنکوں میں جمع تھے۔ اول اول سپاہی اور
مزدوران بنکوں میں روپیہ جمع کراتے ہوئے جھجکتے تھے۔ سپاہی تو اس لئے کہ کہیں ہماری
بچت گورنمنٹ دیکھ کر تنخواہ کم نہ کردے اور مزدور کاریگر اس لئے کہ کارخانہ دار ہماری
بچت کو دیکھکر مزدوری نہ کم کردیں۔ پھر یہ خوف جاتا رہا۔ روز بروز ان بنکوں
کی اور وسعت ہوئی اور پینی بنک قائم ہوئے کہ اُن میں نہایت غریب آدمی ایک پینی
کو جو سب سے کم قیمت سکہ تانبے کا ہے جمع کیا کریں اس قسم کے بنک بہت
جلد پھیل گئے۔ غرض یہ بنک غربا کی تھیلیاں بن گئے کہ جن میں وہ اپنے روپے پیسے ڈالتے
اور سود سمیت اُنھیں نکالتے۔

یہ بڑی مشکل بات ہے کہ جوانوں کو کوئی نئی بات سکھائی جائے۔ خصوص مسرفوں کو
کفایت شعاری سکھائی جائے وہ اپنے بود و باش کے طریقوں میں پکے ہوجاتے ہیں
پرانی ریت رسموں کے موافق خرچ کرنے کے عادی ہوجاتے ہیں اس کے چھوڑ جانے کو وہ
اپنی بے عزتی سمجھنے لگتے ہیں۔ وہ جو کچھ کماتے ہیں خرچ کر ڈالتے ہیں جب محتاج ہوجاتے ہیں تو
بھیک مانگنے سے بھی ننگ و عار نہیں رکھتے اس لئے کہ ان کے دل میں شرافت انسانی کا
جوہر پوری طرح سے نہیں پیدا ہوتا۔ مگر یہ بات جو جوانوں میں ہوتی ہے بچوں میں

نہیں ہوتی۔ ان میں پہلی عادتیں کوئی نہیں ہوتیں جن کو دور کرنا پڑے وہ وہی کام کرنے لگتے ہیں جو سکھاؤ۔ پس ان کو انتظام خانہ داری اسی وقت سے سکھانا چاہئے کہ وہ حساب شروع کریں۔ بچوں کے پاس کچھ پیسے ہوا کرتے ہیں معلم کو چاہئے کہ وہ ان کو سکھائے کہ ان پیسوں کے جوڑنے سے کیسی کچھ خوشی حاصل ہوگی اور ان کے دل میں ایسا شوق پیدا کردے کہ وہ سیونگس بنک میں ان پیسوں کو جمع کرانے کے لئے ایسے خوشی خوشی جایا کریں۔ جیسے سودا بیچنے والوں کی دکانوں پر سودا خریدنے جاتے ہیں۔ غرض جب اس طرح بچوں کو روپیہ بچانے کی تعلیم ہوگی تو ان کے واسطے ایسے اسباب بھی مہیا کرنے چاہئیں کہ وہ اس بچت کو آسانی سے جمع کیا کریں اس لئے ان کے واسطے یہ سیونگس بنک اور پینی بنک اور قومی بنک مقرر کئے جائیں کہ ان میں وہ روپیہ بہ آسانی جمع کریں جس کی محافظ اور سود دینے والی گورنمنٹ ہو۔ پھر اور غریبوں کی بچت کے جمع کرنے کے لئے یہ آسانی کی گئی ہے کہ منی آرڈر کا قاعدہ جاری رکھا گیا ہے کہ جس کے ذریعہ سے آدمی دور سے اپنے روپیے کو بنک میں جمع کر سکتا ہے غرض اگر ان بنکوں کی تمام تاریخ لکھی جائے تو ایک دفتر چاہیئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انگلستان میں اس قسم کے ہزاروں بنکوں میں لاکھوں حصہ دار کروڑوں روپیہ جمع کرنے والے ہیں اور ملک میں ان کے سبب سے ادنٰے طبقہ کے آدمی نہال ہوگئے۔ جس آدمی کو بنک سے اس کے حساب کی بہی ملتی ہے وہ گویا اس کی تاریخ ہوتی ہے جس کو اور رکھنے والے پڑھ کر جزرسی اور کفایت شعاری کا سبق لیتے ہیں جس سے ان میں طرح طرح سے نیک اطواری پیدا ہوتی ہے۔ اب ہمارے ملک کا حال سنئے کہ پہلے زمانہ میں اکثر انقلابات اور حادثات واقع ہوتے رہتے تھے۔ اس لئے دولت کے سلامت رہنے پر اطمینان نہیں ہوتا تھا۔

یہاں اعلےٰ و متوسط طبقہ کے آدمی تو زمین میں دولت کو دبا کے رکھتے تھے۔ یا جواہر خرید لیتے تھے کہ ان کا بھی چھپانا اور دبانا آسان تھا۔ ادنٰے طبقہ میں جو کفایت شعار جوڑو ہوتے تھے وہ کوئی گائے بھینس بکری بھیڑ۔ یا کوئی قطعہ زمین خرید لیتے تھے دودھ۔ گھی چھاچ کو اور زمین کی پیداوار کو اپنے روپیہ کا سود سمجھ لیتے تھے۔ جو لوگ روپیہ سود پہ چلاتے ہیں ان کو ہمیشہ قرض لینے والے اعتبار کے نہ ملتے تھے اسواسطے مول بیاج کے

مارے جانے کا خوف رہتا تھا۔ برٹش گورنمنٹ نے اس خیال سے کہ غریب رعایا
اپنے روپیہ کو نہایت حفاظت سے رکھ سکے اور سود بھی حاصل کر سکے اور جسوقت چاہے
اپنے روپے کو واپس لے سکے۔ جابجا سارے ملک کے ڈاکخانوں میں سیونگس بنک
مقرر کر دئے ہیں جسمیں ہر شخص اپنے روپے کو امانت رکھنے کا اختیار رکھتا ہے۔ جو شخص
روپیہ امانت رکھتا ہے اسکو ایک کتاب ڈاکخانہ سے ملجاتی ہے جسمیں اسکی امانت کے
روپیہ کا حساب رہتا ہے۔ وہ خود یا کوئی اور شخص جسکو وہ چاہے امانت کے
روپیہ کو واپس لے سکتا ہے۔ ہر شخص کم از کم چار آنے اور زیادہ سے زیادہ دوسو
روپیہ تک ایک سال میں جمع کر سکتا ہے۔ اور حساب کو ایک مقام کے سیونگس بنک سے
دوسرے مقام کے سیونگس بنک میں بغیر خرچ کے منتقل کر سکتا ہے گورنمنٹ اس روپیہ کی
ذمہ وار ہو جاتی ہے پونے چار روپے سیکڑہ سالانہ کے حساب سے سود دیتی ہے
غرض ان بنکوں نے ہزاروں آدمیوں کو روپیہ جوڑنے کا جسکا منہ کو لگا
دیا ہے سیکڑوں آدمی ایسے ہیں کہ اگر یہ بنک نہ ہوتے تو ایک پیسا اُن کے پاس نہ ہوتا
اب ہزاروں روپیہ ان کے پاس ہیں۔ ان بنکوں سے فائدہ اُٹھانے میں
مسلمانوں کو بڑی دشواری پیش آتی ہیں اس ملک میں پانچ کروڑ کے قریب مسلمان ہیں
ہیں اکثر اُن میں وحشیوں کی طرح اوقات بسر کرتے ہیں جو ہاتھ میں آتا ہے اُسے
کھا جاتے ہیں روپے بچانے کا خیال اور آیندہ کا فکر بہت کم رکھتے ہیں اپنے لئے
نہ اپنے اہل وعیال کے لئے کوئی سرمایہ جمع کرتے ہیں جو وہ بنک میں جمع کریں
دوم مذہبًا اُن کو سود لینا حرام ہے۔ جب ان کو کوئی صورت حلال روپیہ کمانے
کی نہیں ملتی تو وہ مجبور ہو کر اس حرام صورت کو اختیار کرتے ہیں جس سے ان کی
قوم میں عزت کم ہو جاتی ہے مگر ایسے لوگ گدائی اور محتاجی کی ذلت سے اور اور دوسروں
اپنی خرچ کے بوجھ ڈالنے کی بیجائی سے بچ جاتے ہیں جو سود کھانے سے بہت زیادہ
گناہ اور بدتر کام ہیں گو لوگ رباخواری کی برابر ان کو برا نہیں سمجھتے۔ مرد تو
خیر کچھ مذہبی بہانہ و تاویل بنا بنو کے سود کو حرام سے حلال بنا بھی لیتے ہیں۔ مگر

عورتیں اس سود کو سور سے زیادہ حرام جانتی ہیں عورتوں کو گھر کے انتظام میں بڑا دخل ہوتا ہے۔ گو خانہ داری کی باگ مرد کے ہاتھ میں ہوتی ہے مگر وہ مڑتی اسی طرف ہے جس طرف عورتوں کی مرضی ہوتی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ عورتیں جو چاہیں مرد دن کو ہالیں بعض مرد تو ایسے زن مرید ہوتے ہیں کہ حکم زوجہ بہ از حکم خدا جانتے ہیں۔ غرض ہم یہ چاہتے ہیں کہ غریب مسلمان ان بنکوں سے فائدہ اٹھائیں اور ان کے بچے ان بنکوں میں اپنے پیسے جمع کرانے اس طرح جائیں جیسے اب وہ حلوائیوں کی دکانوں پر ثقیل مٹھائیوں کے خریدنے کے لئے جاتے ہیں اور کھا کر پیٹ میں خلل پیدا کر لیتے ہیں اور ماں باپوں کو بھی اس سے تکلیف دیتے ہیں گو مسلمان یہ دل سے دعا مانگیں کہ ہماری اولاد کے لئے ایسا دن کبھی نہ آئے کہ وہ بنک میں روپیہ جمع کرا کے سود خوار بنیں مگر آخر بھیک کہاں تک مانگینگے۔ اور کب تک ایسے بے حیا بنینگے کہ بھیک کے ٹکے کو بنک کے سود کے دو روپیہ سے اچھا جانینگے +

باب ہفتم

چھوٹی چھوٹی چیزیں یعنی جزئیات

(۱) چھوٹی چھوٹی چیزوں کے بڑے مجموعوں سے چین آرام امن امان پیدا ہوتا ہے اور گھر میں جزئیات کی خبرداری جو زوجہ و دختر و عزیز کریں اسی پاک خوشیاں پیدا ہوتی ہیں۔

(۲) اگر تم یہ جانو کہ کہاں خرچ کرنا چاہئے اور کہاں بچانا چاہئے اور کب خریدنا چاہئے تو تم کبھی بھوکے ننگے نہ ہوگے۔

(۳) جو شخص جزئیات کی خبر گیری کو ذلت جانتا ہے وہ خود شکستہ ہو کر تباہ ہو جاتا ہے + جزئیات کو حقیر جاننا ایسا پہاڑ ہے کہ جس پر سے نوع بشر کا جم غفیر گر کر پاش پاش ہوتا ہے۔ انسان کی زندگی چھوٹے چھوٹے واقعات کا مجموعہ ہوتا ہے

جنہیں سے ہر ایک بجائے خود بڑی بات نہیں ہوتی مگر ہر آدمی کی خوش دلی اور کامیابی ان جزئیات کی خوش اسلوبی سے پیدا ہوتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو معززانہ کرنے سے خصلت پیدا ہوتی ہے۔ جزئیات ہی کے توجہ کرنے سے آدمی کو اپنے کام میں کامیابی ہوتی ہے۔ گھر میں جزئیات کی خوش انتظامی کا نتیجہ راحت ہوتا ہے۔ اسی طرح اچھے گورنمنٹ کا انتظام ہوتا ہے کہ اس میں جزئیات کا بندوبست نہایت باقاعدہ و باضابطہ ہوتا ہے۔

علم اور تجربے کے مجموعے بھی جب ہی بیش بہا ہوتے ہیں کہ وہ علم اور تجربے کے چھوٹے چھوٹے اجزا کے جمع کرنے سے مرتب ہوتے ہیں جو شخص اپنی زندگی میں نہ کوئی چیز جمع کرتا ہے نہ کوئی چیز سیکھتا ہے وہ ناکام و محروم رہتا ہے اس لئے کہ اس نے جزئیات سے غفلت کی۔ اس لئے آدمی اکثر یہ خیال کرتے ہیں کہ مجھ سے زمانہ مخالفت و خصومت کرتا ہے مگر حقیقت میں وہ خود ہی اپنے سے عداوت کرتا ہے عوام الناس میں خوش قسمتی کا اعتقاد بہت پھیلا ہوا ہے مگر مہذب ملکوں جیسے اور خیالات بدل گئے ہیں ایسی ہی قسمت کے اعتقاد میں بھی ضعف آگیا ہے اور اس یقین کو ترقی ہوتا جاتا ہے کہ خوش قسمتی کی مادر مہربان محنت و جفاکشی ہے یعنے آدمی کی کامیابی زندگی پر اسکی کوشش اور محنت اور جزئیات پر متوجہ ہونے کے مناسب ہوتی ہے جو آدمی غافل اور لاابالی و بے پروا کاہل ہوتے ہیں خوش قسمتی ان کے پاس نہیں آتی محنت کے نتیجے ان کو نہیں ملتے جو ان کے حاصل کرنے میں مناسب کوشش نہیں کرتے۔

قسمت نہیں بلکہ محنت آدمیوں کو بناتی ہے۔ قسمت منتظر رہتی ہے کہ آدمی لعبض چیزوں کو گردش دے۔ محنت اپنی تیز نگاہ اور مضبوط ارادہ سے لعبض چیزوں کو گردش دیدیتی ہے قسمت بچھونے میں بڑی چشم براہ رہتی ہے کہ ڈاکخانہ کا قاصد آن کر ورثہ کے ملنے کی خبر دے۔ محنت سویرے چھ بجے اٹھ کے اپنے کار کی قلم کی صریر سے اور ہتھوڑی کی ٹنا ٹن سے کافی کام بنا لیتی ہے۔ قسمت روتی ہے۔ محنت ہنستی ہے قسمت اتفاقات پر اعتماد کرتی ہے۔ محنت خصلت پر بھروسا کرتی ہے +

قسمت نیچے کو پھسلاتی ہے محنت اوپر چڑھاتی ہے۔ قسمت اپنے حال میں گرفتار کراتی ہے اور محنت آزاد اور غنی بناتی ہے۔

گھر بار میں بہت سی چھوٹی چھوٹی چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ جنپر متوجہ ہونا تندرستی اور خوشدلی کے لئے ضرور ہے۔ گھر میں جھاڑو اچھی طرح دینی انگنائی میں کہیں غلاظت کو پڑا نہ رکھنا۔ چیزوں پر گرد و غبار نہ جمنے دینا۔ ان جزئیات کی خبرگیری کا نتیجہ عامہ یہ ہے کہ جسمانی تندرستی اور اخلاقی درستی ہوتی ہے جو خصلت کے اعلےٰ درجہ کی نشو و نما کے لئے ضرور ہے۔ گھر کا ہوادار ہونا ایک خفیف چیز معلوم ہوتی ہے اور بہت تھوڑے آدمی اسکے حال سے واقف ہیں۔ اگر ہم اپنے گھروں میں ہر وقت تازی ہوا کے آنے کا انتظام نہ کریں تو اس غفلت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سارا گھر مرضوں میں مبتلا ہوگا۔ یوں تو کچھ نہیں معلوم کہ یہاں وہاں چند میلے کچیلے دھبوں کے ہونے سے اور تھوڑے سے خراب ہوا کے آنے سے کیا ہوتا ہے۔ مگر جب بخار آن کر جان لیتا ہے تو حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ بس دیکھ لو کہ اس تھوڑی سی غلاظت اور خراب ہوا کے ہونے نے کیا بڑے نتائج پیدا کئے ہیں خانہ داری کے سارے قواعد خفیف معلوم ہوتے ہیں مگر ان سے نتائج عظیم پیدا ہوتے ہیں جزئیات کی خبرگیری نہ کرنے سے بعض دفعہ بڑے بڑے حادثات اور نقصانات واقع ہوتے ہیں۔ ایک جہاز خزانہ لے کر چلا۔ بندرگاہ سے جب چلا گیا تو اس کی تہ میں ذرا سا چھید تھا اس سے تہ میں اتنا پانی بھرا کہ جہاز منزل مقصود پر پہنچنے نہ پایا کہ ڈوب گیا۔ ایک میر لشکر کے گھوڑے کی نعل کی ایک میخ اکھڑ گئی تھی وہ نہ جڑوائی اور میر لشکر اس پر سوار ہو کر میدان جنگ میں چلا گیا۔ وہاں اس نعل کی خرابی سے گھوڑا لنگڑا ہوا۔ اس لنگڑے ہونے سے میر لشکر مارا گیا اور اس میر لشکر کے مارے جانے سے لشکر شکست پا کر تتر بتر ہو گیا۔ بس دیکھو کہ کیا ذری سی بات تھی نعل میں میخ جڑوانی تھی کہ جسکی غفلت سے ایک لشکر تباہ ہو گیا۔ جزئیات کی خبرگیری کا فیصلہ کرلینا اسمیں توقف اور انتظار نہ کرنا چاہئے

دیکھنے میں آتا ہے کہ خصلتیں بے جان ہو جاتی ہیں بہت سی دولتیں ڈوب جاتی ہیں جہاز
غرق ہو جاتے ہیں گھروں میں آگ لگ جاتی ہے۔ انسان کی بیہودگی کے ہزاروں منصوبے
و تدبیریں خاک میں ملجاتی ہیں کہ پھر اُن کا علاج کسی طرح نہیں ہوتا۔ جب یہ تحقیق ہو جائے کہ یہ کام
کرنا سب سے زیادہ انسب اور اولیٰ ہے تو پھر اُسمیں توقف کرنا چہ معنی دارد۔ یہ توقف کرنا ایک
عذر بدتر از گناہ اور ناکامی اور شکست ہی اسکی مثالیں ہزاروں روزمرہ دیکھنے میں آتی ہیں۔
جزئیات سے غفلت کرنا جنکی عادت میں پڑجاتا ہے اُنکی تباہی و بربادی کچھ دور نہیں ہوتی
یہ جفاکشی ہی کا ہاتھ ہے کہ جو دولتمند بناتا ہے جو عورت یا مرد محنتی جفاکش ہوگا وہ
جزئیات کی ایسی خبرگیری کریگا جیسے کہ کلیات کی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر وہ ایسا دھیان
کریگا جیسا کہ بڑی باتوں پر۔ وہ چیزیں کہ نہایت چھوٹی نظر آتی ہیں اُن پر ایسی توجہ کرنی
چاہیے جیسی کہ بڑی چیزوں پر۔ مثلاً ایک پیسا ہے وہ کیسا سکوں یا بے قدر ہے مگر دیکھو کہ
وہ کس کس کام آتا ہے۔ کن کن چیزوں کو خرید لیتا ہے فقیر کے سوال کو پورا کر دیتا ہے
غرض فقط ایک پیسے کو اچھی طرح خرچ کرلنے سے بہت ہی خوشیاں حاصل ہو سکتی ہیں
ایک شخص سخت محنت کرکے خاطر خواہ مزدوری پائے اور اُس کے پیسے جو آئیں ان کو تما
میں لے کر کچھ نشے پانی میں اڑائے کچھ کھانے پینے میں غرض کچھ اس نہ رکھے تو اسکی زندگی کچھ ہی
اچھی بار برداری کے جانور سے ہوگی۔ اب برخلاف اس کے اگر وہ پیسوں کو احتیاط سے خرچ
کرے اور اسمیں سے کچھ بچا کے سیونگس بنک میں جمع کر دے یا بیوی کے پاس جمع کراتا جاوے تو
وہ اسکی تنگدستی کے دن کام آسکتے ہیں اسکے کنبے کی تعلیم و تربیت اچھی طرح کرا سکتے ہیں
غرض بہت طرح سے اس کو معلوم ہو جائیگا کہ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں نے مجھے بڑے فائدے
پہنچائے ان سے راحت میں گھر میں آسودگی ہوئی۔ آیندہ معاش کے خوفوں سے رہائی
ہوئی۔ تمام بچتیں تھوڑی تھوڑی چیزوں سے بنتی ہیں تھوڑی چیزوں کے اجتماع سے ایک
بڑی چیز بنجاتی ہے بھیوں بھیوں تالاب بھر جاتا ہے۔ پیسوں سے روپیہ بنتا ہے
ایک پیسا بچانا روپیہ کی بنیاد جمانا ہے۔ اور روپیہ کا بچانا راحت آرام۔ دولت۔ استغنا۔
افزائش مال پیدا کرتا ہے۔ مگر یہ بنیاد دیانت سے پیدا ہونا چاہئے۔ یہ کہاوت ہے کہ

ایک پیسا دیانت سے پیدا کیا ہوا خیرات میں ایک روپیہ سے اچھا ہوتا ہے جو محنت سے پیدا کیے ہوئے مال میں مزہ و لطف ہوتا ہے وہ خیرات کے مال میں نہیں ہوتا پیسے کا مُنہ کالا ہو تو بلا سے مگر وہ اس طریقہ سے نہ پیدا کیا گیا ہو کہ جس سے اپنا مُنہ کالا ہو جو شخص روپیہ پیسا بچانا نہیں جانتے اُن کی روح کے ساتھ سوہن اور ناک کے ساتھ سان لگا رہتا ہے کبھی نہ کبھی روز محتاجی مسلح ہو کر اُس پر آن پڑتی ہے۔ جو ہوشیاری اور دانائی سے بچت کی جاتی ہے وہ سحر کا کام کرتی ہے۔ ایک دفعہ جہاں اسکو شروع کیا وہ عادت میں داخل ہو جاتی ہے۔ آدمی کے دل میں قوت و راحت و اطمینان پیدا کرتی ہے۔ جو شخص پیسے بچا کر اپنے صندوق میں رکھتا ہے یا سیونگس بنک میں داخل کرتا ہے اُن کا لطف ان ایام میں آتا ہے کہ وہ بیمار ہو یا بڑھاپا آگیا ہو آدمی جو بچاتا ہے وہ محتاجی سے بچ جاتا ہے اور جو نہیں بچاتا اسکی تو تلخ دگرگوں در رساں فقیری کے درمیان کوئی شے حائل نہیں ہوتی وہ گدائی کی گلی میں کھڑا ہوتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ جبتک تمہاری بیوی روپیہ کے بچانے میں مددگار نہ ہوگی تم ہرگز نہ بچا سکوگے۔ مرد گھر کو پھاوڑے سے نہیں ڈھا سکتا۔ عورت سوئی کی نوک سے ڈھا دیتی ہے۔ کفایت شعار جورو خاوند کی عزت کا تاج ہوتی ہے۔

باب ہشتم

قرض کا رواج ہندوستان میں اس کا علاج۔

قرض کی برائیاں۔

اس تمام باب میں قرض سے نہ اُس قرض سے مراد ہے جو گورنمنٹ تجارت کی کمپنیاں میونسپل کمیٹی اور اور تاجر ساہوکار مہاجن اس غرض سے لیتے ہیں کہ اُنکو ایسے بارور کاموں میں لگائیں کہ سود سے زیادہ نفع ہو اور سود ادا کرکے کچھ نفع بچ رہے

ہو تجارت میں قرض سے بہت کام چلتے ہیں اور نہ اُس قرض سے مراد ہے کہ جو کوئی معزز اپنے حفظ آبرو کے لئے قرض لے۔ بلکہ ہماری مراد اُس قرض سے ہے کہ آدمیوں کے اسراف اور گھر کے کاروبار کی بدنظمی کے سبب لیا جاوے۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میں اور میرے اہل و عیال خوشحال اور فارغ البال رہیں اور یہ آرزو اس حالت میں اکثر پوری ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے گھر کا خوش اسلوبی سے انتظام کرنا جانتا ہو مگر اپنے ملک میں ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر آدمی ایسے غیر منتظم اور بدسلیقہ ہوتے ہیں کہ جسکے سبب سے وہ اپنی ابتدائی عمر سے آخر دم تک خستہ حال و پریشان خاطر رہتے ہیں اور اس اپنی خستہ حالی کو اولاد کے ورثہ میں دے جاتے ہیں اگرچہ گھر کی بدنظمی کے اور سبب بھی ہیں مگر بڑا سبب یہ ہے کہ ہندوستان کے اکثر آدمیوں کو قرض لینے کی بڑی بُری عادت ہے کہ جسکے سبب سے افلاس گلے کا ہار ہوتا ہے۔ کبھی اس افلاس کی شکایت قسمت کے ساتھ ہوا کرتی ہے کبھی اس کا الزام گورنمنٹ کے ذمہ تھوپا جاتا ہے۔ یہاں کے لوگ اس بات کو سمجھتے ہی نہیں کہ اپنی خوشحالی گورنمنٹ سے زیادہ اپنے اختیار میں ہے۔

(۳) قرض کا رواج۔ نہ کوئی ملک ایسا ہے نہ کوئی زمانہ ایسا گذرا ہے کہ جسمیں قرض کا تھوڑا یا بہت رواج نہ ہوا ہو۔ ہندوستان میں کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ جسمیں قرض کا رواج نہ ہوا ہو۔ ویدمیں دعائیں قرض کے ہاتھ سے بچنے کی موجود ہیں منو دھرم شاستر میں تو قرض کی شرح کے سود کے باب میں قانون موجود ہے کہ جس کے موافق برہمن بیوستا دیتے آئے ہیں کہ قرض دینے والا ہر مہینہ میں اپنے روپیہ کے اٹھارہویں حصہ تک سود لینے کا مجاز ہے۔ سود فیصدی اس طرح لینا جائز ہے کہ برہمن سے دو روپیہ ماہوار۔ چھتری سے تین روپیہ ماہوار اور ویش سے چار روپیہ مہینہ اور شودر سے پانچ روپیہ مہینا۔ جب کوئی نیک آدمی ضمانت دے یا کوئی چیز گروی رکھے تو سب سے زیادہ کم سود پندرہ روپیہ سیکڑہ سالانہ ہے۔ پہلے شودر ساٹھ روپیہ سالانہ سود دیتے تھے۔ اب اکثر غریب آدمی اپنی روپیہ سود

ماہوار یعنے چھتر روپیہ سالانہ دیتے ہیں قرض لینے کی عادت یہاں تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ
دونوں کو ہے۔ ہندوستان میں آبادی کا زیادہ تر حصہ کاشتکاروں کا ہے۔ ان کے پاس
سرمایہ نہیں ہوتا۔ سال بھر کے کام کاج کے انجام دینے کے واسطے جتنے روپیہ کی ضرورت
ہوتی ہے اُس کے لیئے وہ قرض لیتا ہے اور سود پر سود دیتا ہے جسکی مختلف شرح
دو روپیہ سیکڑہ سے پانچ روپیہ سیکڑہ تک ماہوار ہوتی ہے۔ یہ سود ہمیشہ اُس کے حصہ
میں سے جو فصل آیندہ سے اُسے ملتا ہے وصول کیا جاتا ہے اگر وہ سال رواں میں
اپنے قرضہ کو بیباق نہ کر سکے تو بقایا مع سود اگلے سال کے حساب میں اصل بن جاتی ہے
یوں اصل مع سود ہر سال بڑھتی جاتی ہے اکثر دیہات میں قرض کا دستور یہ ہے کہ
کسانوں کو دس روپیہ مہاجن دیتا ہے اور بارہ روپیہ ایک روپیہ ماہوار کے حساب سے
لیتا ہے بیچ میں اگر یا اوپر کھیلتا ہے کہ جب بیچارا کسان دو چار روپیہ اُتارتا ہے تو
اُسکو دو روپیہ قرض دے کر بارہ کے بارہ پھر لینے قائم کرتا ہے بس یہاں کسان
کم بختی کا مارا ایسی مشکلوں میں پھنس جاتا ہے کہ مہاجن کے پھندے سے نکلنے کی امید نہیں
رہتی۔ گورنمنٹ کی قحط سالی کی رپورٹ کمیشن سے معلوم ہوتا ہے کہ دو تہائی کاشتکار
مہاجنوں کے قرضدار ہیں مہاجنوں کی دستاویزات کے بوجھ کے نیچے ایک تہائی کسان
ایسے دبے رہتے ہیں کہ وہ کسی طرح قرض کی دلدل سے نکل کر اپنے پاؤں کے بل سے
چل نہیں سکتے۔ کسان کا نام جہاں مہاجن کے بہی کھاتہ کی ٹیڑھی بیڑھی لکیروں میں لکھا
گیا وہ پتھر کی لکیر بن گیا پھر مٹائے سے نہیں مٹ سکتا۔ کیری صاحب جو محکمہ زراعت
بنگال کے اول بانی تھے وہ لکھتے ہیں کہ کل ملک بنگال میں یہ ایک عجیب و غریب واقعہ ہوتا ہے
کہ کوئی کسان اپنے کھیت کو دیکھ کر خوش ہو کہ اس کا اس سال پیداوار میرے گھر
جائیگا اور اسمیں کسی طرح سے کوئی مہاجن شریک نہیں ہوگا کہ کوئی حصہ اُسکے پاس جائے
یہ ایک عام رواج ہے کہ اکثر کسان قرضدار ہوتے ہیں اور اپنے کھیت میں بیج بھی قرض
لیکر بوتے ہیں وہ اپنے قرض خواہوں کے مزدور بنکر کھیت میں کام کرتے ہیں۔
فصل کے بیچ میں اُن کو چالیس فیصدی اور کبھی کبھی پچاس فیصدی سود دینا پڑتا ہے

ہر ضلع میں بہت سی مثالیں ایسی بھی موجود ہوتی ہیں کہ کسان پہلے اس سے کہ کاٹے کھیت کی مٹی کو آنگلی لگائے دو سال کی پیداوار کو رہن رکھ دیتا ہے۔ پہلے زمانہ میں ہندوستان کے بعض حصوں میں زمین کی مالک گورنمنٹ ہوتی تھی اسواسطے کسان اپنی حقیت زمین کو رہن نہیں کر سکتے تھے مثلاً بندیل کھنڈ کا یہ حال تھا کہ برٹش گورنمنٹ نے اپنی نیک نیتی سے زمینداروں کو حقوق زمینداری عطا کیئے۔ زمینداروں نے ان حقوق جدید سے کوئی خود فائدہ اُٹھا کر اپنی آسودہ حالی کو نہیں بڑھایا بلکہ اُن کو رہن رکھ کر اپنے تئیں قرضدار بنایا۔ مارواڑیوں نے اُن حقوق کو گرو رکھ کر روپیہ بڑی خوشی خوشی قرض دیدیا۔ جب قحط پڑا زمینداروں سے سود ادا نہیں ہوا۔ مارواڑیوں نے دھڑا دھڑ ڈگریوں میں زمینداری کو نیلام کرا کر خرید لیا۔ اس طرح بہت سی اصل زمینداری زمینداروں کے ہاتھ سے نکل کر مارواڑیوں کے ہاتھ میں آگئی۔ اب یہ مارواڑی کسانوں کو فقط اتنا کھانے کو دیتے ہیں کہ وہ بھوکے نہ مرجاویں۔ ان میں پوست و استخوان غلاموں کی طرح خدمت کرنے کے لئے باقی رہے۔

کسانوں کو تو اپنے قرضدار ہونے کے لئے یہ عذر ہے کہ ہماری آمدنی غیر محقق ہے اور وہ موسموں کی موافقت پر موقوف ہے مگر جن آدمیوں کی آمدنی مقرر و معین ہے اُن کا حال بھی یہی ہے کہ قرضدار ہونے کے لئے تیار بیٹھے رہتے ہیں۔

اخبار انڈین مرر میں ایک دفعہ لکھا تھا کہ ہندوستان کے کاشتکار تو بھولے بھالے مشہور ہیں لیکن فقط انہیں کا یہ حال نہیں بلکہ کل ہندوستانیوں کا یہ حال ہے کہ عقل دور اندیش اُن کے پاس ہو کے نہیں پھٹکی خواہ تعلیم یافتہ ہوں یا غیر تعلیم یافتہ بیاہ شادی و مرگ کی رسوم ادا کرنے میں اپنے مقدور سے زیادہ خرچ کر لیتے ہیں اور اکثر قرضدار اُن میں ہو جاتے ہیں۔

ایک اخبار میں لکھا تھا کہ مندراس گورنمنٹ کے ملازموں میں سے تیرہ سو کلارک ہیں جنکی تنخواہ قرضہ کی بابت وضع ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ اخبار کا بیان مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے مگر اس میں شک نہیں کہ جب ملازمان سرکاری کی تنخواہ قرق ہو کے قرض میں

وضع ہونے لگی تو ہر افسر میں اس قدر تعداد بڑھی کہ گورنمنٹ نے آخر کو ملازموں کے قرض کی بابت ایسا قانون بنایا کہ وہ ان کو قرض لینے سے روکے۔

(۳) قرض لینے کے اسباب۔

ہندوستان میں اکثر آدمیوں کی سمجھ بچوں کی سی ہے۔ دور اندیشی اور مآل اندیشی ان میں نہیں ہوتی اگر آج ان کے پاس کھانے کو ہے تو یہ فکر نہیں ہے کہ اگر کل کے واسطے آج سامان نہ کرینگے تو مصیبت سر پر آئیگی۔ آج کی فضولی کل لم بختی لائیگی۔ عاقل کو آیندہ کا خیال ہمیشہ رہتا ہے اور اسکے واسطے وہ سامان تیار رکھتا ہے۔ سمتھ صاحب کا مقولہ ہے کہ ہیں آدم دو قسم کے ہیں ایک وہ جو قرض لیتے ہیں دوسرے وہ جو قرض دیتے ہیں ایک وہ جو تباہ ہوتے ہیں دوسرے وہ جو تباہ کرتے ہیں ایک وہ جو جوڑتے ہیں دوسرے وہ جو اڑاتے ہیں ایک مآل اندیش دوسرے ناعاقبت اندیش۔ ایک کفایت شعار جز رس دوسرے مسرف فضول خرچ۔ ایک روپیہ گھسنے والے۔ قرضدار ہونا کچھ تنگی معاش پر موقوف نہیں ایک ہی دفتر میں دیکھتے ہیں کہ دس روپیہ مہینے کا محرر کسی کا قرضدار نہیں مگر سو روپیہ مہینہ کا سررشتہ دار اور آٹھ سو روپیہ ماہوار کا سب جج بڑا قرضدار ہے۔ ایک قرضداری تو مجبوری کی ہوتی ہے جیسے کہ قحط پڑ گیا۔ یا ایک شخص کی آمدنی پر سارے کنبے کے خرچ کا مدار تھا وہ مر گیا۔ یا کوئی اور ایسی عزت کی بات آن پڑی کہ اس میں خرچ ضرور ہوا مگر ہم وہ قرض کے اسباب لکھتے ہیں جو آدمیوں کے خود اختیار میں ہیں اگرچہ انسان کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنے قصوروں کو اوروں کے ذمہ لگاتا ہے مگر اس کو خود چاہیئے کہ اپنے افعال کو دیکھے اور ان کی اصلاح کرے۔

پہلا سبب جو قرضداری کا مشہور و معروف ہے وہ شادی بیاہ اور مرنے کی رسوم کا خرچ ہے جنکے باب میں بہت سی سبھاؤں میں تجویزیں پیش ہو چکی ہیں اور جا بجا اسکے انسداد کے باب میں انتظام ہوتے ہیں مگر اب تک کوئی نتیجہ اس کا معتدبہ نظر نہیں آیا۔ ان شادی کے خرچوں نے دختر کشی کی رسم کو جاری کیا جسکے سبب سے برٹش گورنمنٹ کو اسکے انسداد کا اہتمام کرنا پڑا۔ پنجاب کے بعض اضلاع میں جو کوئی بوڑھا بڑا مر جاتا ہے تو اس کے مرنے

میں پانچ سو روپیہ کے قریب خرچ ہوتے ہیں بمبئی احاطہ کے کناروں کے اضلاع میں شادی کے خرچوں کے لئے جب زمین بک جاتی ہے تو مالک زمین خود اپنے تئیں بیچ ڈالتے ہیں ہندوؤں کے یہاں سارا کنبا ملکر ایک جگہ اکثر رہتا ہی۔ اس لئے کوئی نہ کوئی شادی یا بیاہ یا دیا در پیش رہتا ہی۔ اب ان میں خرچ ہر ایک رکن خاندان کی حیثیت کے موافق نہیں ہوتا بلکہ کل خاندان کی حیثیت مجموعی کے موافق۔ اس سبب سے بہت کچھ خرچ ہوتا ہے۔

تعلیم یافتہ آدمی ان سب رسموں کی پابندی کی خرابی سے خوب واقف ہیں وہ بیچارے تحریروں کے طومار لکھتے ہیں اور تقریریں کرکے زبان تھکاتے ہیں مگر کوئی ان کی نہیں سنتا اور وہ خود بھی ایسے مجبور ہیں کہ ان کو وہی کرنا پڑتا ہے جو اور ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں ابھی ایسے بہادر نہیں ہوئے کہ وہ یہ خیال نہ کریں کہ بیوقوف ہم کو جو چاہیں کہا کریں ہم دانائی کی پابندی سے کام کریں قومی غلامی سے آزادی مشکل ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ سیکڑوں اور ہزاروں روپیہ مفت ضرور برہمنوں کو کھلانا پڑتا ہے دعوتوں کے تکلفات میں ناچ رنگوں میں آرائشوں میں آتش بازیوں میں کمین قوم کے انعاموں میں بہت برباد ہوتا ہے مگر ان کو یہ سب کچھ بہ مجبوری اسواسطے کرنا پڑتا ہے کہ برادری میں ناک نہ کٹ جائے اور پھر کوئی ہم کو سوم سمجھکر صبح کو نام نہ لے۔ یہی روپیہ جو اولاد کی شادی میں ماں باپ خرچ کر دیتے ہیں اگر ان کو یونہیں دیدیں تو اس سرمایہ سے وہ اپنی زندگی بخیر و خوبی بسر کرسکتے ہیں جیسے کھیت کے لئے پہلے بیجوں کا ہونا ضروری ہے ایسی ہی ہر کام کے شروع کرنے کے واسطے سرمایہ ضرور ہے پس اس سرمایہ کے فائدہ پر نظر کرنی چاہئے کہ کس قدر ہوتا ہے مثلاً پانچ برس کے لڑکے کی شادی میں ایک ہزار روپیہ خرچ کیا جائے اگر اس وقت سے یہ روپیہ لوٹ کے سود پر چلایا جائے تو آخر عمر میں اس کی ایک سرمایہ کثیر ہوجائے پس شادی میں روپیہ ہی نہیں برباد ہوتا بلکہ یہ سود اور نفع بھی اسکے ساتھ برباد ہوتا ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ بہت روپیہ زیوروں میں خرچ کیا جاتا ہے سیونگس بنک میں نہیں جمع کیا جاتا۔ زیور کا حال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باہر ملکوں

۵
باب پنجم

کروڑوں روپیہ کا سونا ہندوستان میں آتا ہے جسمیں سے ایک سکہ بھی نہیں بنایا جاتا
وہ سارا زیوروں میں کھپ جاتا ہے ۱۸۸۱ء سے اب تک سونا چاندی چار سو پچاس کروڑ
روپیہ کا غیر ملکوں سے ہندوستان میں آیا ہے پانچ برس میں ۱۸۹۵ء تک [illegible]
کروڑ روپیہ کا سونا صرف زیورات میں خرچ ہوا۔ یہاں بالکل اسکا خیال نہیں ہے کہ ہم اپنی
کتنی دولت یوں آگ میں پگلاتے اور گلاتے ہیں وہ یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ ان زیوروں کے بنانے
میں ہماری کتنی دولت برباد جاتی ہے۔ مردم شماری ۱۹۰۱ء سے معلوم ہوا کہ ہندوستان
میں چار لاکھ ایک ہزار پانچ سو بیاسی سنار ہیں اور لوہار تین لاکھ چھیاسی ہزار نو سو آٹھ
اگر ہر سنار کی مزدوری چھ روپیہ ماہوار قرار دی جائے تو صرف زیور کی بنوائی میں دو
کروڑ نواسی لاکھ روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے۔ اب اگر یہی سنار لوہار ہو جائیں اور
لوہے کی فائدہ مند چیزیں مثل ہل وغیرہ کی بنائیں تو کتنا فائدہ ہو یہ کوئی نہیں سمجھتا
کہ دو کروڑ نواسی لاکھ روپیہ محض بے فائدہ چاندی سونے کے گلانے میں خرچ کرتے ہیں
اگر سرمایہ کو سودی چلائیں تو کتنا فائدہ حاصل ہو۔ زیور کو تو سودی نہیں چلا سکتے
دو سو کروڑ روپیہ سے کم روپیہ ان زیوروں میں لگا ہوا اور گھروں میں جمع کیا ہوا نہ ہوگا
اگر بارہ روپیہ سیکڑہ سود پر چلایا جائے تو چوبیس کروڑ روپیہ کی آمدنی ہو جو کچھ ہی
کل ہندوستان کی زمین کی مالگزاری سے کم ہو۔ ہندوستان سونے کی قبر مشہور ہے
جہاں سونا اس میں آیا معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔

انگلستان میں کیا خوب قاعدہ ہے کہ سونے کا زیور نہیں بنایا جاتا۔ سونے کے
سکے ڈھالے جاتے ہیں ابھی جو ہندوستان میں ریل بنائی گئی ہے اور ایک سو ساٹھ
کروڑ روپیہ انگلستان والوں نے اسکے بنانے کے واسطے دیا تھا وہی روپیہ لگ گیا
ہندوستانی اپنے زیوروں کو بیچ کر دیدیتے تو پانچ روپیہ سیکڑہ سود تو کہیں گیا
ہی نہ تھا اور اس کے سوا اور کروڑوں روپیہ کا فائدہ تھا۔ اگر دو شخصوں پاس
سو سو روپیہ ہوں ایک تو سیونگس بنک میں رکھے تو وہ پورے چار روپیہ سیکڑہ
سود کے سالانہ پاویگا کچھ خوف روپیہ جانے کا نہیں ہوگا۔

دوسرا بیوی کے واسطے سو روپیہ کا زیور بنائے تو اول سنار کی مزدوری دیگا۔ پھر وہ چوری کا اندیشہ ساتھ لگائے گا۔ پونے چار روپیہ سود کے کھوئے گا۔ اگر کسی ضرورت کے سبب سے گروی اسکو رکھیگا تو بارہ روپیہ سیکڑہ اور گرہ کے دینے پڑینگے۔ اب ان دونو آدمیوں کی حالت کو دیکھ لو کہ کیا ہوگی۔ ایک پانچ چھ برس میں سب کھو کھا کے برابر کر دیگا۔ دوسرے پاس سولے یا ڈیوڑھی ہو جائیں گی۔ یہ مقولہ سچ ہے کہ اگر روپیہ مناسب طور سے کام میں لایا جاوے تو وہ ایسا ہی روپیوں کو اگلتا ہے جیسے کہ کھیت بیجوں کو۔

تیسرا سبب اسراف اور اپنے مقدور سے زیادہ خرچ کرنا۔ ایک شخص جسکو خدا نے عقل مستقیم دی ہے وہ اپنی حیثیت کے موافق بود باش کریگا اور ایسی باتوں سے گریز کریگا کہ جس سے وہ زیادہ دولت مند معلوم ہو۔ دیانت داری سے جو مقدور اسکو ہوگا اس کے موافق رہیگا۔ وہ بے دیانتی سے اوروں کی دولت لے کر اپنی دولت مندی کی شان نہیں دکھائیگا۔ اپنی آمدنی سے زیادہ وہ کوئی خرچ نہیں رکھیگا کیونکہ ایسا خرچ رکھنا بے دیانتی اور اوروں کی جیب کترنی ہے۔ تاہم یہ حال بعض تعلیم یافتہ آدمیوں کا جو بڑے بڑے شہروں میں رہتے ہیں دیکھتے ہیں کہ ان کو وہ سیدھا سادہ طریقہ جو باپ دادا کا تھا پسند نہیں ہے۔ وہ اپنی تعظیم و تکریم کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم نمود اور شان کے خرچ رکھیں پس اس ظاہری حیثیت بنانے کے لئے وہ آخر کو قرضدار ہو جاتے ہیں اور اُن سے پھر دوست ایسے بھاگنے لگتے ہیں جیسے سیلاب سے۔

(۴) قرض کی برائیاں۔

پہلی برائی روپیہ کا ضائع ہونا ۱۸۸۱ء کے مردم شماری سے معلوم ہوتا ہے کہ کل ہندوستان میں قرض دینے والے مہاجن دو لاکھ اکیس ہزار ہیں ان کے سواء ہزاروں ہوں گے جنھوں نے اپنے تئیں چھپایا ہوگا اور نہ بتلایا ہوگا اب ذرا سوچو کہ سود کا روپیہ ان کو کیا کچھ دیا جاتا ہوگا۔ زیور پر اکثر شرح سود آٹھ روپیہ سے بارہ روپیہ سیکڑہ تک ہے۔ ڈاکٹر ہنٹر صاحب لکھتے ہیں کہ میں اپنا یہ فرض سمجھتا تھا کہ

ضلع میں تحقیق کروں کہ روپیہ کا سود کیا دیا جاتا ہے تو مجھے معلوم ہوا کہ قدیمی شرح سود
کی ساڑھے سینتیس روپیہ کی ہے اسکے موافق چھوٹے چھوٹے معاملوں پر سود لیا جاتا
ہے غریب آدمی جن کے پاس کوئی چیز گروی رکھنے کی نہیں ہوتی اُن کو ایک آنہ روپیہ
ماہوار سود پر قرض دیا جاتا ہے۔ سود میں اس طرح کروڑوں روپیہ کا نقصان ہوتا
ہے مگر بڑا نقصان یہ ہے کہ کسانوں کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے سست مزاج کاہل
ہو جاتے ہیں اپنی زمین کی پیداوار بڑھانے کی قابلیت جاتی رہتی ہے۔ نہ آلات زراعت
کی اصلاح کر سکتے۔ نہ زمین کی حیثیت بڑھانے کی جستجو کر سکتے۔

دوسری برائی بے عزتی و ذلت۔ ایک شخص اپنی عرق فشانی سے خواہ کچھ ہی پیدا
کرے وہ سب کے سامنے آنکھیں کر سکتا ہے کسی سے نہیں چھپتا۔ اس لئے کہ کسی سے
وہ قرض کا شرمندہ نہیں ہے لیکن جو قرضدار ہیں وہ قرضخواہوں سے منہ چھپاتے پھرتے
ہیں ڈگریوں کے مارے وہاں اور وہاں سے یہاں چھپتے پھرتے ہیں مسجد و مندر
میں بھی تو وہ پناہ نہیں پا سکتے جیلخانہ میں اُنکا پالنا ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو قرض
لے کر اپنے مکانوں اور سواری کی آرائش اور زیبائش کرتے ہیں وہ اسباب ایسے ہی
ہوتے ہیں جیسے کہ شادی بیاہوں میں مانگے کے اسباب سے مکانوں کو سجاتے ہیں یہ
سارا اسباب قرضخواہوں کا ہوتا ہے۔ اگر قرض خواہ بازار میں قرضدار کو روک کر کھڑا ہو جاتے
تو وہ مجرم نہیں ہوتا۔ اگر وہ گالیاں دے تو ہتک عزت کی نالش اُس پر نہیں ہوتی۔ لکھنؤ میں سنا
گیا کہ ایک زمانہ میں وثیقہ داروں پر اتنی ڈگریاں جاری تھیں کہ اتوار ہی کو اُنکا دروازہ
کھلتا تھا ورنہ عدالت کے چپراسی کے خوف کے مارے دروازوں کی زنجیروں میں دو دو
تین تین قفل پڑے رہتے ہیں۔ جب آدمی کی زندگی کا مدار اوروں کے دسترخوان
پر ہو تو پھر زندگی کیا ہے۔ دولتمند کی خوشامد کرنی یا جی بن ہے اپنے اوپر رحم
دلانا یہ کیا عزت ہے بے کسی ہے اپنی ایسی خواہشوں کا غلام ہونا جو پوری
نہ ہو سکیں آزادی کھونا ہے اور مصیبت کو سر پر لینا ہے۔

تیسری برائی جھوٹ بولنا۔ مثل مشہور ہے کہ قرض کی پیٹھ پر جھوٹ سوار رہتا ہے

یہ بات دشوار ہے کہ جو شخص قرضدار ہو وہ سچ بولے۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک شخص کا قرض دوسرے شخص سے قرض لے کر چکاتا ہے اور یوں اپنی ساکھ بناتا ہے وعدے جو ادائے قرض و سود کے وہ کرتا ہے ان سب کو پورا نہیں کر سکتا۔ بہت سے وعدے اسکے جھوٹے ہوتے ہیں یہ ناممکن نہیں ہے مگر بہت مشکل ہے کہ قرض وعدہ پہ پورا ادا ہو۔

چوتھی برائی۔ قرض عمر بھر کی غلامی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول ہے کہ قرضخواہ کا غلام قرضدار ہوتا ہے یہاں کے آدمیوں میں ایسی کم سمجھ ہے کہ وہ سود کے حسابوں کو سمجھتے نہیں وہ یہ جانتے ہی نہیں کہ جب مہاجن کی بہی کھاتہ میں ہمارا نام قرضداروں میں لکھا جائیگا تو پھر نہایت مشکل ہوگا کہ وہ اس سے خارج ہو اپنے فائدے کے واسطے ہمیشہ اُن کو اپنا قرضدار بنانے میں مہاجن کوشش کریگا وہ رعیت کی فصلوں کی پیداوار کا تخمینہ کر کے اُن کی حیثیت خود ٹھیراتا ہے وہ ان کو فقط اتنا دیدیتا ہے کہ وہ اس کی غلامی کرنے کے واسطے زندہ رہیں مثل مشہور ہے کہ قرض شوہر مرداں۔

پانچویں برائی بے دیانتی۔ جس قرض کے ادا کرنے کی امید نہ ہو اسکا لینا بے دیانتی اور بے ایمانی میں داخل ہے وہ ایک قسم کی ٹھگی ہے۔ یہ ایک اور تماشہ ہے کہ قرضخواہ کے بغیر مرضی کے قرض بعضے آدمی لے لیتے ہیں کسی مہاجن یا مالدار کے ملازم گماشتے منیب ہوئے۔ مالک کا روپیہ لے کر اپنے تصرف میں لائے۔ جب کبھی مدتوں میں حساب ہوا تو جو کچھ اپنے ذمے روپیہ نکلا اُس کا تمسک لکھ دیا۔ بعض آدمیوں کی نیت میں قرض لینے کے وقت ایسا ہوتا ہے کہ ہم قیامت کے وعدہ پر لیتے ہیں اسے قیامت کے دن ادا کرینگے کبھی قرض لے کر ادا نہیں کرتے۔ غرض وہ اس قرض کو بھی آمدنی کے صیغہ میں گنا کرتے ہیں اور قرضخواہوں کو ملازم جانتے ہیں جو ماہوار سود ہوتا ہے اُسکو کہا کرتے ہیں کہ مہاجن ہمارے اتنے روپئے ماہوار کا نوکر ہے۔

چھٹے برائی خاندان پر مصیبت۔ جو مصیبت کہ قرضدار پر ہوتی ہے وہی اُس کے سارے کنبہ پر۔ اسکے قرض کے سبب سے کنبے کے سارے آدمیوں کے دل کو

ہوئے ہوتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اب ڈوبی اب ڈوبی - اسکا بعض دفعہ عجیب حال ایسا ہو جاتا ہے کہ گھر میں جھاڑو دینے کے لئے تنکا نہیں رہتا اور سارا کنبا فقیر محتاج ہوکر بھیک مانگنے لگتا ہے ایک شخص جو خاندان کا سرپرست ہے اسکی فضول خرچی بڑے بڑے دولتمند خاندان سے بھیک منگواتی ہے یہ جو برائیاں ہم نے بیان کیں وہ لوگ جو قرض لینے کی عادت رکھتے ہیں کب کان لگا کے سنتے ہیں اور اگر سنیں بھی تو ایک دیوانہ کی بڑ سمجھکر چل جائینگے خواہ وہ سنیں یا نہ سنیں مگر - بر رسولاں بلاغ باشد و بس -

(ہ) قرض سے نجات - جیسے پہاڑ پر سے پتھر کا لڑکانا آسان اور چڑھانا کل ہے ایسے قرض کا لینا آسان اور چکانا مشکل - فقط قرضدار کا یہ کہنا کہ مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی اصلاح نہیں کر سکتا - کچھ فائدہ نہیں دیتا - اگر ایسا افسوس وہ سو برس تک کھایا کرے تو کوڑی قرض کی ادا نہیں ہو سکتی - مگر کم ہمت چست کرے اور ہمت مرداں مدد خدا پر عمل کرکے قرض اتارنے میں کوشش کرے سختی اٹھائے اور ان قواعد پر عمل کرے تو ضرور اس کا صلہ پائے وہ قواعد یہ ہیں -

اول - اپنی آمد و خرچ کا حساب کوڑی کوڑی کا رکھے - ملازمت کے حالات میں تو بالکل ٹھیک آمدنی معلوم ہو سکتی ہے کیونکہ وہ معین و مقرر ہوتی ہے - تجارت اور زراعت میں وہ اوسط لگا لینے سے تخمیناً اور تقریباً تحقیق ہو سکتی ہے بعض آدمی ایسے عقل کے اندھے ہوتے ہیں کہ وہ اپنی آمدنی کا تخمینہ اندھا دھند کرتے ہیں اور اسکے موافق خرچ کرنا شروع کر دیتے ہیں جس سے وہ اور قرض کی دلدل میں پھنستے چلے جاتے ہیں بعض آدمی قرض پر قرض لئے چلے جاتے ہیں اس کے حساب کو دیکھتے نہیں کہ کیا دینا ہو گیا ہے - ان کو چاہئے کہ وہ قرض تخمینہ کریں حساب کی کتاب تاریخ وار بنا دیں - جس سے وہ قرض کے چڑھنے اور اترنے کا حال جان سکیں دل ہی دل میں قرض کا حساب نہیں ہو سکتا - اگر کسی آدمی کو بہت سے آدمیوں کا قرض دینا ہو تو اول قرض وہ اس آدمی کا چکائے جو تقاضوں کے مارے جان کھائے جاتا ہو -

دوم - خرچ کا انتظام ایسا رکھے کہ جس سے فقط قرض کا سود ہی ادا نہ ہو بلکہ کچھ اصل میں بھی مجرا ہو - اس قاعدہ کی تعمیل بھلا مسرفوں سے کب ہو سکتی ہے مگر اسکے سوا

قرض اتارنے کا کوئی طریق بھی نہیں ہے ــــ جتنی سختی کوئی اپنے خرچ کے تنگ کرنے سے اُٹھائیگا۔ اُتنا ہی وہ مسرور ہوگا۔ تلنگو زبان کی ضرب المثل ہے کہ کانجی اور بھنگ میں جیسا ہی مزہ آتا ہے کہ وہ آدھا رہ نہ لیئے گئی ہوں۔ اگر ایک شخص ایسے پانی میں کھڑا ہو جسکی طغیانی سے ڈوب جانے کا اندیشہ ہو تو کیا اس پانی کے اُترنے سے اُس کا دل خوش ہوگا۔ بس یہی حال قرض کے اُترنے کا ہے۔ جس شخص کا خرچ آمد سے فزوں ہوگا۔ وہ ضرور آخر میں تنگ خرچ ہوگا۔ بہتر ہوگا کہ وہ پہلے ہی سے اپنے نفس کی خواہشوں کے پورا کرنے میں احتراز کرے تاکہ آیندہ مصیبت اور بلا میں نہ مبتلا ہو۔ فقط سود کا ادا ہونا ادائے دین کے لیئے کافی نہیں۔ سود کا روپیہ اصل کی برابر کیا بلکہ اس سے کچھ زیادہ دیا جائیگا۔ اور قرض بدستور رہے گا۔ اور اگر اصل میں کچھ ادا کیا جائے گا تو آخر کو اصل صفر ہو جائیگی۔ مثلاً ایک شخص کی آمدنی تیس روپیہ ماہوار کی ہو اور وہ روپیہ سیکڑہ ماہوار سود پر دو سو روپیہ قرض لے تو اب اس کو ایسا انتظام کرنا چاہیئے کہ چھبیس روپیہ ماہوار خرچ ہو اور دو روپیہ ماہوار سود اور دو روپیہ ماہوار اصل میں دیئے جائیں تو قرض چھ برس میں بالکل اُتر جائیگا اور ۲۰ روپیہ سود کے دینے پڑینگے اور اگر اصل نہ ادا ہوگی تو اس عرصہ میں ایک سو چوالیس روپیہ سود کے دینے پڑینگے اور قرض سابق بدستور رہے گا۔ اگر چھ روپیہ ماہوار کا انتظام کریگا تو چار برس میں قرض ادا ہوگا اور ۵۸ روپیہ سود کے دینے پڑینگے۔

سوم۔ زیور اور کسی چیز کو کبھی گرو نہ رکھو۔ عورتوں کو زیور بچوں کی برابر عزیز ہوتا ہے۔ اس کے گرو ہونے کا رنج ایسا ہی ہوتا ہے جیسے بچے کو چیچک نکل آنے کا اور اسکے بک جانے کا افسوس ایسا ہوتا ہے جیسے بچے کے مر جانے کا۔ مگر یہ صرف اُن کی جہالت ہے ان کو جو خیال ہے کہ زیور گرو رہے گا تو خاوند کبھی نہ کبھی چھڑا دیگا۔ اگر بک جائیگا تو پھر وہ نہ ملے گا نہ ہمکو پہننا میسر ہوگا۔ ان کی اس بے وقوفی کو دور کرنے کے لئے خاوند کو سمجھانا چاہیے کہ زیور کے گرو رکھنے میں جو نقصان ہے وہ اس کی سمجھ میں نہیں ہے یقین ہے کہ جو عورتیں نیک بخت اور خاوند کو راضی رکھنا چاہتی ہیں

وہ اسکے بیچنے کو منظور کرلینگے بہت سے آدمی جائداد اور زیور کے بیچنے کو بے عزتی سمجھتے ہیں اس لئے وہ انہیں گروی رکھتے ہیں اور ایک ایک کے پانچ پانچ بھرتے ہیں۔ جائداد زرعی میں یہ بڑا رشک ہوتا ہے کہ ہمارا گانو رقیبوں کے پاس چلا جائیگا۔ اس لئے سود دینے کی پروا نہیں کرتے وہ اسکے ایک حصہ کو فروخت کرکے اصل مع سود چکا دینے کو اپنی کسرشان سمجھتے ہیں کہ پہلے کُل بیس بسوے گانو کے تھے اب پندرہ رہ گئے اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیسوں بسوے سود میں رقیبوں کے پاس چلے جاتے ہیں۔

چہارم۔ آمدنی کا حسن انتظام۔ ہر آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنی آمد و خرچ کا بجٹ یعنی تخمینہ بنائے خرچ کی مدات قائم کرے۔ خوراک۔ پوشاک۔ کرایہ مکان۔ ٹیکس گھر میں جو اور چیزیں کام میں آتی ہیں۔ تعلیم۔ خیرات۔ خرچ متفرقات۔ بجٹ کے ہر مہینے کے اندر ہر مد کو نہایت احتیاط سے دیکھے اور اُسکے واسطے رقم مقرر کرے۔

خرچ متفرقات۔ ہر مہینے میں چھوٹے چھوٹے خرچ غیر معمولی پیش آتے رہتے ہیں۔ جیسا مہمانوں کا گھر آنا۔ اسباب کی مرمت۔ ان باتوں کو پہلے سے خیال کرکے خرچ متفرقات میں رقم قائم کرنی چاہئے۔ مشہور مثل ہے کہ اگر پیسوں کی خبرداری تم کرو تو روپئے اپنی آپ خبرداری کریں گے منتظم و غیر منتظم میں یہی فرق ہوتا ہے کہ منتظم غیر معمولی خرچوں کا بندوبست پہلے سے کرتا ہے اور غیر منتظم کو اُسکا خیال نہیں ہوتا۔ منتظم پانچ روپیہ بچاکر جمع کرتا ہے غیر منتظم بجائے بچانے کے پانچ روپیہ سود کے دیتا ہے۔ یوں دُگنا نقصان اُٹھاتا ہے۔

آدمی پر پہلے ادائے دین فرض عین ہے۔ بعد اس کے جوڑنا۔ اس امر کا فیصلہ کہ آمد و خرچ میں کیا نسبت رکھی جائے وہ آدمیوں کی مختلف حالتوں پر موقوف ہے جن چلتن آدمی کے آگے پیچھے ہوں وہ ایک تہائی روپیہ اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے اور اپنی ضعیفی اور بیماری کی حالت کے لئے بچائے۔ جب کنبا زیادہ ہو تو بچت کم کرے مگر خرچ کو آمد سے نہ بڑھائے۔ آجکل بچت کا روپیہ سیونگس بنک میں خوب حفاظت سے رہتا ہے اور سود بھی سیکڑے پونے چار روپیہ خاصہ ملتا ہے۔

پانچواں قاعدہ۔ خرچ کا حساب رکھنا۔ ایک حکیم کی رائے ہے کہ انسان کے لئے کوئی چیز

اپنے مقدور سے زیادہ کام کے روکنے کے لئے ایسے نہیں جیسے کہ اپنے تمام معاملات کے حساب کا زیر نگاہ رکھنا۔ بعض آدمی یہ عذر کیا کرتے ہیں کہ ہم کو حساب دیکھنے کی فرصت نہیں یہ کہنا اُن کا کہ فرصت نہیں غلط ہے۔ مگر یہ کہنا درست ہے کہ ارادہ نہیں فرصت تو بہتیری ہے مگر ارادہ نہیں ہوتا۔

بہت سے غریب آدمی یہ کہتے ہیں کہ ہماری آمد و خرچ کیا ہے جسکا حساب رکھیں اپنا روز کمانا روزی کھانا۔ یہ اُنکی بڑی غلطی ہے۔ غریبوں ہی کو حساب رکھنے کی بڑی ضرورت ہے اور کوڑی کوڑی بچانے کی حاجت ہے۔ ایک غریب شخص بارہ برس کی عمر سے دمڑی روز کا تمباکو پینا شروع کرے اور ستر برس کا ہو کر مرے تو اُس نے بیاسی روپے تیرہ آنے اپنے آگ میں پھونکے۔ اگر وہ تمباکو نہ پیتا اور زمین مول لیتا تو خاصہ ایک کھیت چھوڑ جاتا بلکہ اس سے بھی زیادہ بچت ہوتی ہے۔ غریب آدمی اپنے پیچھے ذرا ذرا سی خرچ ایسے بہت لگا لیتے ہیں کہ اگر وہ خرچ نہ کرتے اور اُن کو جوڑتے تو بہت کچھ بچا لیتے اور ایسے خرچ نہ کرنے سے اُن کا حرج بھی کچھ نہ ہوتا۔

چھٹا — قاعدہ۔ سب چیزوں کی قیمت نقد دو۔ جن لوگوں کو اشیا قرض خریدنے کی عادت ہو جاتی ہے وہ بڑے زیر بار ہوتے ہیں اشیاء کو دیکھ کر ان کے خریدنے کی خواہش ہوتی ہے مگر وہ روپیہ کے پاس نہ ہونے کی وجہ سے وہ خرید نہیں سکتے اور ایسی عقل نہیں رکھتے کہ دل کو مار کے چپکے ہو رہیں وہ قرض خرید لیتے ہیں سوا اس کے مٹھی میں سے روپیہ دینے سے دل دکھتا ہے اور سوچ و پیش ہوتے ہیں قرض لکھ بند کر کے لے لیتے ہیں۔ جب دکانداروں سے قرض کا حساب ہو جاتا ہے تو وہ جیسی جنس چاہتے ہیں جس بھاؤ سے جو چاہتے ہیں وہ قیمت لگاتے ہیں۔ نقد چیز سو چکر تلاش کر کے ارزاں جہاں تہاں ہاتھ لگتی ہے مول لیتے ہیں نقد و قرض کی قیمتوں میں کم از کم دس فیصدی کا فرق ہوتا ہے۔

ساتواں قاعدہ۔ اشیا کی صفت اور قیمت دونوں پر توجہ چاہیئے۔ ارزاں بعلت گراں بحکمت کو خیال میں رکھنا چاہیئے۔ ایک جوتہ دو روپیہ کا جو برس روز چلے وہ

وہ اس ڈیڑھ روپیہ کے جوتے سے سستا ہوتا ہے جو چھ مہینے چلے ایک مکان سے کرایہ کا ایسی جگہ جہاں بیماری رہتی ہو اس مہنگے مکان سے جو اچھی جگہ پر ہو گراں ہوتا ہے۔

آٹھواں قاعدہ۔ نیلام میں نہ جاؤ۔ دکانوں پر نہ پھرو۔ جب نیلام میں آدمی جاتے ہیں تو بہت سی چیزیں بے ضرورت یہ سمجھ کر خرید کر لیتے ہیں کہ ارزاں ہیں۔ یہی حال دکانوں پر پھرنے کا ہے۔ جب کسی چیز کے خریدنے کو دل للچائے تو سوچنا چاہئے کہ بغیر اس کے بھی ہمارا گذر ہو سکتا ہے خریدنے کی ضرورت نہیں۔ سقراط نے جب ایتھنز میں بہت سی اچھی اچھی چیزوں کو دیکھا تو کہا کہ یہاں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو مجھے درکار نہیں اس ضرب المثل کو خوب یاد رکھو۔ جو شخص بے ضرورت چیزوں کو خریدتا ہے وہ آخر کو ضرورت کی چیزوں کے خریدنے کے لئے محتاج ہو جاتا ہے۔

نواں قاعدہ۔ نشہ بازی اور تمباکو میں روپیہ نہ خرچ کرو۔ قدیم یونانیوں کی ضرب المثل ہے کہ پانی سب سے بہتر ہے۔ ہندوستان میں بہت سی قومیں صدہا برس سے ایسی چلی آتی ہیں کہ وہ شراب کا نام بھی زبان پر نہیں لیتیں مگر اب شراب پینے کا رواج زیادہ ہوتا جاتا ہے خصوصاً نئی روشنی اور تعلیم یافتہ آدمیوں میں۔ شراب پینے سے نا وقت موت آتی ہے۔ خاندان کے خاندان خاک میں ملجاتے ہیں ہندوستانیوں کو چاہئے کہ وہ اس باب میں اپنے باپ دادا کی تقلید کریں۔ اگرچہ تمباکو ایسا مضر نہیں جیسی کہ شراب مگر اس میں بھی آخر ایک دولت کے حصے کو آگ لگتی ہے چند خاص صورتیں ایسی ہیں جنمیں تمباکو کچھ فائدہ مند ہوتا ہے۔ کم عمری میں اسکا پینا نہایت نقصان پہنچاتا ہے۔ کبھی اسکا مزہ نہ چکھنا بہتر ہے۔ افیون سب سے بدتر غرض ہر نشہ آدمی کے حق میں زہر ہے۔

دسواں قاعدہ۔ کسی کی ضمانت نہ دو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ قول یاد رکھو کہ جو شخص کسی غیر آدمی کی ضمانت دیگا تو رنج اٹھائیگا اور جو ضمانت سے نفرت کریگا وہ سلامت رہیگا۔

گیارہواں قاعدہ - نہیں کہنا یعنے انکار کرنا سیکھو انسان کی اطمینان خاطر اور آسودگی کے لئے ضرور ہے کہ وہ نہیں کہنا سیکھے یعنی انکار کرنا۔ بہت سے آدمی مروت و شرم کے مارے زبان سے نہیں نہیں نکال سکتے اسی سے تباہ اور برباد ہو جاتے ہیں۔ جب کسی چیز کے خریدنے کو تمہارا دل چاہے ورتم اسکی قیمت نہیں ادا کر سکتے تو اسے کہو کہ نہیں۔ اگر قرض کی قسط ادا کرنے کو دل چاہے کہ اس مہینے میں ناغہ کرو تو کہو کہ نہیں۔ اگر بیوی بچے ایسے لباس کی یا کسی اور چیز کی فرمایش کریں جسکا مول لینا تمہارے مقدور سے باہر ہو تو کہو کہ نہیں۔ اگر کوئی دوست قیمتی زیور کی فرمایش کرے تو کہو کہ نہیں۔ غرض کسی قسم کی ترغیب برے کام کی ہو اسپر یہی کہو کہ نہیں۔ جب کوئی کاہلی۔ خود نمائی۔ حماقت۔ بدعادتوں کی طرف ترغیب دے تو بہت جھنجھلا کر کہو کہ نہیں۔ ہندوستان میں بہت روپیہ جو برباد اور خراب ہوتا ہے اور قرض ہوتا ہے تو اسکا سبب یہ ہے کہ یہاں کے آدمی نہیں کرنا نہیں جانتے۔ جو آدمی خود ضابط نہیں ہوتے وہ روپیہ برباد کرتے اور نیک کاموں کے کرنے سے محروم رہتے ہیں۔

بارہواں قاعدہ۔ انگریزوں کی تقلید۔ آج کل جو یہ پکار ہو رہی ہے کہ ہائے افلاس کے مارے مرے جاتے ہیں تو اس کا سبب یہ ہے کہ لوگوں نے انگریزوں کی طرز بود و باش اختیار کرنی اپنے پیچھے لگائی ہے۔ اگر وہ اپنے باپ دادا کی طرح رہیں تو دولتمند ہو جائیں اور پھر اپنی مفلسی کو نہ روئیں۔ ہندوستانی سول سروس کا اسسٹنٹ کلکٹر اگر باپ دادا کی طرح رہے تو امیر ہے۔ اگر انگریزوں کی طرح رہے تو فقیر۔

انگریزی اسباب کی تجارت نے بہت فضول شوق ہندوستانیوں کے دلوں میں پیدا کر دئیے ہیں آجکل آدمی جتنے ان اپنے شوقوں سے قرضدار ہوتے ہیں اتنی اپنی پرانی رسوم شادی و مرگ کی فضول خرچی سے نہیں ہوتے۔ یہ تو کبھی کبھی ہوتے ہیں مگر وہ روز موجود ہیں۔

تیرھواں قاعدہ۔ محنتی ہونا ہر کام میں کامیابی کے لئے محنت شرط ہے حضرت سلیمان کا قول ہی کہ محنت کے ساتھ نتول ہی۔ سونے کو نہ پسند کرو شاید اس سے مفلس ہو جاؤ۔ محنت کو خوش اسلوبی کے ساتھ کرو۔ وقت پر کام کرنا۔ وقت کا انتظام کرنا۔ محنت کرنا۔ یہ سب باتیں بڑے ضروری کام کی ہیں۔ پھر استقلال

تقاضا کرنے والے پر نہیں - بلکہ اس بات پر کہ میرے پاس روپیہ کیوں نہ ہوا کہ قرض ادا کر دیتا نا دہندوں کے بہاویں بھی تقاضا نہیں ہوتا۔ دونوں صورتوں میں دوستوں میں رنجش ہو جاتی ہے +

باب نہم ۹

دولت و خیرات

(۱) جو کچھ روپیہ خرچ کیا - وہ کبھی ہمارے پاس تھا۔
جو کچھ دیدیا ہے - وہ ہمارے پاس ہے۔
جو چھوڑ گئے - وہ کھو گئے۔

(۲) خود نما آدمی کا مذہب یہ ہے کہ روپیہ پیدا کرو اور اس کے زیور پہنو۔
فیاض کا مذہب یہ ہے کہ روپیہ پیدا کرو اور بانٹ دو۔
بخیل کا مذہب یہ ہے کہ روپیہ پیدا کرو اور جوڑ دو۔
مہاجن کا مذہب یہ ہے کہ روپیہ پیدا کرو اور قرض دو۔
قمار باز کا مذہب یہ ہے کہ روپیہ پیدا کرو اور اسے کھو دو۔

(۳) دانشمند کا مذہب یہ ہے کہ روپیہ پیدا کرو اور فائدہ مند کام میں لگاؤ۔

(۴) ایک دانشمند روپیہ پیدا کرنے کے لئے یہ تین قاعدے بتاتا ہے اول جتنا تم حاصل کر سکتے ہو حاصل کرو۔ دوم جتنا تم بچا سکتے ہو بچاؤ۔ سوم جتنا دے سکتے ہو دو

(۵) بہت سے سست آدمی ایسے ہیں کہ بھیک میں ایک آنہ کے ملنے سے جیسے خوش ہوتے ہیں ایسے محنت سے آٹھ آنے کے پیدا کرنے سے نہیں ہوتے۔

(۶) بعض آدمی سور چراتے ہیں اور اس کے پائے غریبوں کو خیرات کرتے ہیں جو آدمی کفایت شعار ہوگا تو سخاوت کر سکے گا۔ کفایت شعاری اپنی ذات پر ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ وہ اوروں کو اپنے فائدے پہنچاتی ہے۔ اپنا سلسلہ دور تک پھیلاتی ہے وہ اسپتالیں (دارالشفائیں) کالج قائم کرتی ہے۔ تعلیم کی اثروں کو پھیلاتی ہے

نجات کے کارخانوں کو جاتی ہے ـ دونو دل و دماغ کی نیک صفات باعث سخاوت و فیاضی ہوتی ہیں فیض رسان عالم کی خدا دوست روح ہے ـ قومی فدائیت واخلاقی ذہانت کی کرسی پر بیٹھاتی ہے ـ عطا و بخشش و خیرات وہ نعمت ہے کہ جس سے نہایت محتاج مفلس و مفلوک الحال بسوز روز کے روٹی کمانے والے ـ بہرہ یاب ہوتے ہیں ـ اور اس نعمت کے دینے والے اور لینے والے دونو مسرور ہوتے ہیں ـ

بیکسوں کی مدد کرنے کا فرض انسان پر ایسا ہے کہ اُسکے ادا کرنے کی نفیری سارے جہان میں بج رہی ہے ـ یہ فرض خاص کر خدا دوست اور خیر خواہان خلائق کے ذمے زیادہ تر ہے ـ ہر شخص بیواؤں اور یتیموں کے مصائب و رنج و قلق کے دور کرنے کے لیے سعی کرنے کو فرض موکد جانے اور اپنے گروہ کا حق اپنے اوپر یہ سمجھے کہ اسکی ترقی و بہبودی کے اسباب کا معاون ہوں ـ

اصل حقیقت یہ ہے کہ ہم دولت کی قوتوں کو بڑے مبالغے سے بیان کیا کرتے ہیں یہ سچ ہے کہ دولت مندوں ہی سے خیرات کے کاموں کے لئے بڑے چندے وصول ہوتے ہیں جس سے اُنکی فضول دولت کا ایک حصہ یا اُنکا ناجائز طور سے روپیہ کمایا ہوا کار خیر میں خرچ ہونے لگتا ہے مگر کسی کار خیر کی تکمیل نہ ان چندوں سے ہو ـ نہ روپیہ سے قوموں میں بڑی تبدیلیاں دولتوں سے نہیں ہوئیں بلکہ اُن آدمیوں سے ہوئی ہیں جنھوں نے اپنے تئیں ان کاموں میں وقف کر دیا ہے ـ لا مذہبی کی آفات سے نجات دلائیں عمدہ و مناسب و مفید مشاغل کی طرف توجہ دلائیں ـ بہت طرح سے خوشدلی و راحت پہنچائیں وہ اپنے کاموں میں سخت محنت و جفاکشی اُٹھاتے ہیں ہر وقت اُنکی دل کو ان کاموں سے لو لگی رہتی تھی ـ رات دن اسی فکر میں رہتے تھے ـ قوموں کی جانفشانی کی تاریخ کو پڑھو تو تم کو معلوم ہو جائیگا کہ اوروں کی اعانت کرنے کے لئے دولت مند ہونے کی ضرورت نہیں ـ بہت سے غریب مفلس آدمی فیض رسان خلائق ہوئے ہیں بانیان مذہب تو زیادہ تر فقیر ہی تھے ـ خیر بے ریا اور فیض بے غرض کی ضرورت ہے ـ تم دولت کے برابر کسی چیز کا نرخ بالا نہیں کرتے ـ آدمی اکثر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ دولت ہی کی

ضرورت ہے - بعض آدمی ریاکار ایسے ہوتے ہیں کہ فقط اس لئے کہ اوروں کی راے انکی
نسبت اچھی ہو اور ساری خلائق انکی تعریف کرنے لگے اپنی تھیلیوں کا منہ کھول دیتے ہیں۔
اور اُس پر فخر و ناز و غرور کرتے ہیں - بعض قومیں دولت کی پرستش کرتی ہیں - بنی اسرائیل
سونے کا بچھڑا بناکے پرستش کی تھی - یونانی جیوپیٹر کو سونے کا بناکر پوجا کرتے ہیں ہندو
لکشمی کی پوجا کرتے ہیں آدمیوں کی قدر کا اندازہ روپیہ سے کرتے ہیں کہ وہ لکھپتی ہے اور یہ
کروڑپتی ہے - یہ انسان کی دنائت طبیعت ہے کہ وہ روپیہ سے محبت کرے اور اسکے قبضے
کے موافق اور آدمیوں کی قدر سمجھے - اکثر یہ سوال ہوا کرتے ہیں کہ وہ کتنے روپیہ کا آدمی
ہے؟ اور اُسکی آمدنی کیا ہے؟ اگر کسی شخص کو یہ کہو کہ وہ بالکل نیک نہاد فیض رساں
اور صاف دل ہے تو کوئی نہیں سنے گا - لیکن اگر یہ کہیں کہ فلاں آدمی کروڑپتی ہے
تو سب کے کان کھڑے ہونگے - دولتمندوں کی زیارت کو بہت آدمی آتے ہیں اور جب
وہ رستے میں چلتے ہیں تو ان کے لئے رستہ چھوڑ دیتے ہیں - غرض یہاں دولت پر آدمی
مرتے ہیں اسکے پیدا کرنے میں اپنی خصائل کو عیب لگاتے ہیں روپیہ کا پیدا کرنا گویا
آدمیوں کی خصلت میں داخل ہو گیا ہے - کچھ جائز و ناجائز طور سے اسکے حاصل
کرنے میں فرق نہیں سمجھتے - دولت کو سمجھتے ہیں کہ خواہ وہ کسی طرح حاصل ہو -
دولت کی عزت کرنے میں لوگ یہ خیال نہیں کرتے کہ وہ کس طور سے حاصل ہوئی ہے
جب دولت حاصل ہو جاتی ہے تو پھر یہ خیال ہوتا ہے کہ اپنے اخلاق کے عیبوں کو
مٹائیے - رشوت میں خوب روپیہ کما لیا پھر اگر ہندو ہیں تو مندروں پر بڑے
بڑے چڑھاوے چڑھ رہے ہیں - جاترائیں ہو رہی ہیں - سدا ورت بٹ رہے ہیں
اگر مسلمان ہوئے تو زکاۃ خمس کی رہی ہیں اور مال حرام کو فرض کا بنا رہے ہیں حج کو جاتے
ہیں تو سو چوہے مار کے بلی حج کو چلے کہواتے ہیں اور وہاں سے اپنے تئیں معصوم
بناکے آتے ہیں غرض اپنے مذہب کا تعصب دکھاتے ہیں - نماز و وظیفے لمبے لمبے
ہیں خیرات کے چندوں میں بھی بڑی بڑی رقمیں لکھ دیتے ہیں یہ سب کچھ کرتے ہیں
مگر وہ زر ان کے دل کو اور روح پر گرانی کرتا ہے - جو شخص دولت کے وزن کو سہار سکتا

اور اپنی محنت و جفاکشی کو نہیں چھوڑتا تو وہ بڑا جوانمرد ہے دولت سے مست نہ ہونا بڑی جوانمردی ہے۔ اکثر تو یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جہاں دولت مند ہوئے عیش و آرام کے بندے ہوئے۔ کاہلی اور سستی نے ان کا دامن پکڑا اور وہ اپنی خود آرائی اور تن پروری میں مشغول ہوئے۔

اگر آدمی کو دولت کے سبب سے آدمی بھول نہ جائے تو دنیا میں جو اب برائیاں ہوتی ہیں ان میں سے آدھی جاتی رہتیں۔ اگر دولت مند مفلسوں کے حال سے غافل نہ ہوتے اور مفلسوں کو ان پاس جانے کی اجازت ہوتی تو بہت سی برائیاں جاتی رہتیں دولتمندوں پر واجب ہے کہ وہ غربا نوازی کریں کہ جس سے ان کے دل میں انکی جگہ ہو۔ بہت سی عمارات دلکش اور روح افزا بنائیں کہ جن سے خلق کو تفریح حاصل ہو۔ بہت سے مکان ایسے بنائیں کہ جنمیں مفلس عاجز محتاج آرام سے رہ سکیں درس گاہیں مقرر کریں۔ بڑے بڑے کتب خانے بنائیں۔ غرض سب طرح کا رفاہ عام اور آسودگی اہتمام سے کریں۔

آدمیوں کو دولت جوڑنے کا ایسا شوق دامنگیر ہوتا ہے کہ گو دولت کے ڈھیر ان کے چاروں طرف لگے ہوں مگر وہ اور زیادہ دولتمند ہونے کے لئے ایسی جفاکشی کرتے ہیں جیسے کوئی اپنے افلاس کے دور کرنے کے لئے مشقت شاقہ اٹھاتا ہے۔ ایک ایک روپیہ بڑھانے کے لئے بڑی بکھیڑے پر بکھیڑے کرتے ہیں۔ گو دولت اتنی ان کے پاس جمع ہوتی ہے کہ اس سے وہ متمتع نہیں ہو سکتے۔ مگر پھر بھی بعض اوقات تھوڑے تھوڑے فائدوں کے لئے وہ کمینے و رذیل کام کرنے لگتے ہیں غرض وہ فضول دولت کے بڑھانے میں متواتر کوشش سے اپنے تئیں تھکاتے ہیں۔ شاید اکثر ایسے آدمی وہ ہوتے ہیں کہ جنھوں نے ابتداء عمر میں تعلیم سے استفادہ نہیں اٹھایا کہ وہ علم سے محظوظ ہو کر مسرور ہوں۔ کتابوں کا مذاق رکھیں بعض اوقات وہ ایسے جاہل ہوتے ہیں کہ یہ رانام بھی اپنا نہیں لکھ سکتے۔ ان کو تو رات دن یہ دھن لگی رہتی ہے کہ دھن دولت

کیونکر بڑھ سکتی ہے۔ سوا روپیہ کے کسی اور بات کا خیال کرنا ان کے مذہب میں
حرام ہوتا ہے۔ دولت ان کا دین و ایمان ہوتا ہے۔ وہ اولاد کو بھی تنگ
حال رکھتے ہیں اور تعلیم یا حبانہ دلاتے ہیں انجام اس کا یہ ہوتا ہے کہ یہ ساری
دولت جمع کی ہوئی ان بچوں کے ہاتھ میں آتی ہے کہ پہلے جن کا ہاتھ خرچ سے روکا
گیا تھا اب وہ زیادہ کشادہ ہوتا ہے۔ ان کی تعلیم میں نقص رہا تھا اس کے سبب
وہ دولت کو فضول خرچیوں میں اڑاتے ہیں باپ کی طرح محنت و کام کی سوا نہیں کرتے
نئے نواب و راجہ بن جاتے ہیں اور شاہانہ خرچ رکھتے ہیں۔ اس شاہ خرچی سے
تھوڑے دنوں میں دولت پر لگا کے اڑ جاتی ہے۔ بہت سی مثالیں ایسی دیکھنے
میں آتی ہیں کہ اول نسل میں ایک خاندان کا عروج ہوا۔ دوسری نسل فضول خرچیوں
بھولیں پڑی تیسری نسل بالکل ایسی ڈوب گئی کہ کہیں پتا نہ لگا۔ ایک انگریزی مثل
ہے کہ دو دفعہ کھڑاویں ایک دفعہ بوٹ۔ اول مفلس دادا کھڑاویں پہنتا تھا جس نے اپنی
محنت و مشقت سے دولت جمع کی جو بیٹے کے ہاتھ لگی کہ جس نے خوب بوٹ پہنے
اور امیرانہ ٹھاٹ بنائے۔ اور دولت کو خاک میں ملایا۔ اب پوتے کی پھر یہ نوبت
افلاس کی پہنچی کہ کھڑاویں پہنیں مثل مشہور ہے کہ دادا ہاتھی پر چڑھے۔ پوتا بھیک
مانگے یا چوری کرے۔ دادا نے جفاکشی سے اتنی دولت کمائی کہ فیل نشین ہوا
بیٹے نے یہ ساری دولت خاک میں ملائی۔ اب پوتا کیا کرے؟ بھیک مانگے یا چوری
کرے۔ تاجروں کو دیکھتے ہیں کہ آج بادشاہ بنے بیٹھے ہیں۔ کل گدا ہو گئے وہی
بڑے بڑے منصوبے اور تدبیریں اور خیالات کہ جن سے دولت بڑھائی تھی ان کے
حق میں زہر ہو گئے اور ان کو امیر سے فقیر بنا دیا۔ بڑھاپے میں خوش دلی تبھی
حاصل ہوتی ہے کہ اس عمر میں دولت پیدا کرنے کے تمام فکر و تردد چھوڑ دے
اور اس کے لئے محنت و مشقت نہ کرے۔ نوجوانی اور متوسط عمر میں آدمی کو
چاہئے کہ دل و دماغ صحیح و چست و چالاک رکھے۔ تحصیل علم کرے اور ایسے
اصولوں میں دل لگائے جو پہلے ہو چکے ہیں اور ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ میں

دولت کو دعویٰ ممتاز کرنے کا ہین نتیجہ - باب نہم

دنیا کو زیادہ عاقل اور آسودہ حال بنانے کے لئے ہو رہے ہیں اکثر آدمیوں کو زندگی میں اتنی فرصت ملتی ہی کہ وہ سوانحات عمری اور تواریخ کے مطالعہ میں دل لگائیں اور علوم و فنون اور عمدہ کاموں سے جو دولت کے پیدا کرنے سے متعلق نہیں ہیں مہارت پیدا کریں صرف دل بہلانے کے کاموں سے مطلب برآری نہیں ہوتی - کھیل تماشو اور لہو و لعب سے خوشدلی نہیں حاصل ہوتی - جو شخص عیش و طرب کا بندہ ہوتا ہے وہ نہایت کم بخت ہوتا ہے - خصوصاً بڑھاپے میں تو اور بھی زیادہ فقط کاروبار دنیا کی سوا کرنی کچھ اچھی ہے - مگر ان کے برخلاف - علم ادب - فلسفہ - علوم و فنون یہ سب ایسی خوشیوں سے بھرے ہیں کہ آدمی کو تا دم واپسین خرم و شاد رکھتی ہیں اگر کسی پیر کہن سال کو سوا دولت جوڑنے کے کوئی اور خوشی نہ ہو تو اسکی بڑی حیرانی ہی ہے - وہ ہمیشہ کولھو کے بیل کی طرح ایک جگہ میں پھرتا ہے - دولت ہی بڑھانے کے فکر میں رہتا ہے اس سے کیا ہوتا ہے - دولت مندی بجائے مفید ہونے کے مضر ہوتی ہے وہ طمع و لالچ کا غلام بنجاتا ہے - جس سے زیادہ بدتر کوئی گناہ نہیں خلق اسکا ذکر خیر کے ساتھ نہیں کرتی - برائی کے ساتھ یاد کرتی ہے - وہ خود اپنی تئیں ہیٹا سمجھنے لگتا ہے - جب ایک دولت مند کا وقت آخر آگیا تو اسنے اپنی اشرفیوں کا صندوقچہ منگایا اور اشرفیوں کو ہاتھ میں لیا اور ان کو خوب کھینچا اور پیار کیا گو اسوقت دنیا نے اس سے منہ پھیر لیا تھا مگر وہ اشرفیوں ہی کی طرف منہ کئے ہوئے تھا - معلوم ہوتا تھا کہ روح اسکی ان اشرفیوں میں پھنسی ہوئی ہے جو نہایت مشکل سے نکلی یہ وقت کیا ہی سخت گذرا ہوگا اسکی کوئی تسکین خاطر اس کے سوا نہ تھی کہ وہ اشرفیاں اسکی ساتھ جائیں - ایک کنجوس نزع کی حالت میں یہ کہتا تھا کہ میری دولت میرے ساتھ جائے - کوئی مجھے میری دولت سے محروم نہ رکھے یہ حالت کیسی کلفت انگیز و درد آمیز ہے -

دولت مندوں کو سوا اس کے کیا ملتا ہے کہ خلق کہتی ہے کہ وہ اتنا روپیہ چھوڑ مرے - دولت سے کوئی ان کو عظمت و جلال کا درجہ و رتبہ نہیں ملتا دولتمند کی

تعریف دولت ہونے کی جہت سے گنوار کیا کرتے ہیں۔ بعض بڑے بڑے دولتمند ایسی گمنامی میں رہتے ہیں کہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون ہیں۔ زیادہ تر دولت مند جاہل ہوتے ہیں۔ نہ ان کے اخلاق کا ٹھکانا ہوتا ہے نہ انکی معاشرت کا کوئی ڈھنگ ہوتا ہے۔ اگر کسی شہر کے دولتمندوں کی فہرست بنائی جائے تو کوئی اُن میں بنیا ہوگا کوئی بزاز ہوگا کوئی لوہیا ہوگا کوئی صراف مہاجن ہوگا کوئی کوٹھ والا۔ کوئی کارخانہ دار کوٹھی وال ہوگا۔ ان کی جو عزت کا حال ہے وہ سب پر کھلا ہوا ہے دنیا میں جتنے دولتمند اور طامع حریص ہوتے ہیں وہ خود خیال کرلیں اور خلق ان کی لئے خیال کرلے کہ جن جانکاہیوں اور جانفشانیوں سے دولت پیدا ہوتی ہے اُسکا یہ معاوضہ ملتا ہے۔ اس معاوضہ میں کیا خوبی ہے۔ بعد مرنے کے خلق کہتی ہے کہ فلاں شخص اتنی دولت چھوڑ مرا۔ یہ دولت قبر میں کچھ کام نہیں آتی۔ بلکہ یوم الحساب کے محاسبہ کو طول دیتی ہے + خلیفہ صلاح الدین جو دُنیا کے اعلیٰ درجہ کے بڑے ناموروں میں سے ایک ہے اور اُس نے ایران عرب شام اور بہت سے مُلک فتح کیے اور اپنے زمانہ میں بے نظیر و بے مثل شجاع و فتح مند و مظفر و منصور تھا جسکے حکومت اور دولت کی انتہا نہ تھی۔ وہ دولت کی لغویت اور ہیچ پوچ ہونے کو خوب سمجھتا تھا۔ اُس نے اپنے وصیت نامہ میں لکھا کہ بہت سا حصہ اسکے خزانوں کا مسلمانوں یہودیوں و عیسائیوں میں تقسیم کیا جائے کہ ان تینوں مذہب کے علماء اسکے لئے خدا تعالیٰ سے دعاء مغفرت مانگیں اور اس کا کرتہ جو مرنے کے وقت وہ پہنے ہوئے تھا ایک نیزہ کی نوک پر لٹکایا جائے اور ایک سپاہی اُسکو لیکر سارے لشکروں میں پھرے اور جا بجا کھڑا ہوکر یہ پکارے کہ سلطان صلاح الدین کیا چھوڑ مرا اپنے تمام سلطنتیں و مملکتیں جو اُس نے فتح کیں و جو بے مطیع بنائے۔ بے انتہا خزانے جو جمع کیے اُسکے پاس مرتے وقت سوا اس کرتہ کے کچھ اور پاس نہ تھا۔

دولت و خوشدلی میں کچھ ضرور نہیں کہ باہم رشتہ مندی ہو۔ یعنی یہ کچھ نہیں کہ جو دولتمند ہو وہ زیادہ خوش بھی ہو۔ ہم بعض صورتوں میں کہہ سکتے ہیں کہ

خوشدلی کو دولت سے نسبت معکوس ہوتی ہے۔ اکثر آدمیوں کی زندگی کی خوشدلی کا حصہ وہ ہوتا ہے جس میں مفلسی سے جنگ بازی کرتے ہیں اور بہ تدریج اپنی حالت کو بہتر و برتر بناتے ہیں اس حالت میں وہ اوران کی خاطر سے اپنے نفس کی خواہشوں کو دباتے ہیں وراپنی کمائی میں آیندہ استغنا کے لئے کچھ بچاتے ہیں اور اپنی روٹی پیدا کرنے کے لئے اپنے دل کی وہ تربیت و تعلیم کرتے ہیں جس سے وہ زیادہ دانا اور اچھے ہوجائیں اپنے گھروں میں بہت خوش دل رہتے ہیں اوراپنے گروہ کے حق میں فائدہ مند ہوتے ہیں

آدمی کو ہر زندگی کے حالت کے معاوضے ملتے ہیں متمول اور مفلس کی قسمتوں میں ایسا فرق نہیں ہے جیسا کہ اکثر لوگ خیال کرتے ہیں متمول کو اپنے فائدوں کے لئے بڑی جانکاہی اور جانفشانی کرنی پڑتی ہے اپنی ملکیت اور قبضہ کے لئے بڑے بڑے فکر کرتا ہے اسکو ہمیشہ یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ کوئی میری دولت چھین نہ لے۔ کوئی مجھے دھوکا اور فریب نہ دیدے۔ آسامیوں کی فوجیں اسکو گھیرے رہتی ہیں اور اسکی تھیلیوں پیتاک تاک کے اپنے تیر لگاتی ہیں اوران میں چھید ڈالتی ہیں اور چھیدوں سے روپیہ نکال لیتی ہیں کبھی وہ خود ہی بامید منفعت ایسے سودے کرتا ہے کہ جھٹ پٹ دوالہ نکل جاتا ہے اور پھر اسی پیچ میں وہ غلطاں پیچاں رہتا ہے آخر کو بازار میں اجناس کے اتفاقی بہاؤ اُس کو بہکا کر دل شکستہ کر دیتے ہیں۔ نفع و نقصان کی اُدھیڑ بن میں اُسکی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے۔ وہ دن کو بھی جاگتا ہے اور رات کو بھی۔ دماغ پریشانیوں اور حیرانیوں سے بھرا رہتا ہے۔

دولتمندوں کی غذا ایسی ہوتی ہے جس سے وہ بیمار زیادہ پڑتے ہیں اوران کی بھوک کم ہو جاتی ہے۔ برخلاف اس کے مفلس آدمیوں کی اشتہا بہت اچھی ہوتی ہے جو کھاتے ہیں ہضم ہو جاتا ہے۔ ایک فقیر نے ایک لکھ پتی دولتمند سے سوال کیا کہ میں بھوکا ہوں کچھ کھلا دیجے۔ اُس دولتمند نے جواب دیا کہ مجھے تیرے بھوکے ہونے پر رشک ہوتا ہے۔ ایک طبیب نے ایک امیر کو نسخہ یہ لکھدیا تھا کہ آٹھ آنے روز محنت پیدا کر کے کھایا کرو۔ دوسرے امیر کو یہ نسخہ لکھا کہ جب قلعہ کو غنیم گھیر لے تو اُس کا علاج

یہ ہے کہ چاروں طرف سے اُسکی رسد غلہ بند کر دیجائے تو غنیم قلعہ کو چھوڑ کر چلا جائیگا۔ مزدور جسقدر کام کرتا ہے اُس کو اثر قلبی بھی کم ہوتا ہے۔ اسمیں ہاضمہ کی قوت شترمرغ کی سی ہوتی ہے کہ پتھروں کو بھی ہضم کرجاتا ہے۔ برخلاف اسکے جو آدمی کام نہیں کرتے۔ وہ معدے کو کبھی بھولتے نہیں اور مُنہ میں ہر نوالہ کے ساتھ ان کو معدہ کا خیال ہوتا ہے۔ بھوک کا نہ لگنا اور بدہضمی ہونا یہ دونو باتیں بہت ہی کم ساتھ ہوتی ہیں بس دیکھ لیا کہ نیچر کسی کا طرفدار نہیں جب کسی کو ایک طرح سے راحت پہنچاتا ہے تو دوسری طرح سے اُس کو تکلیف دیتا ہے۔ بہت سے آدمی دولتمندوں کی دولت اور جاگیر کو دیکھکر اُن پر حسد کرتے ہیں مگر ان جوکھوں اور تکلیفوں اور خوفوں کو خیال نہیں کرتے جنسے وہ حاصل ہوئی ہیں۔

غریب ہونا بے عزتی نہیں ہے۔ غریبی جو دیانت و راستی کیساتھ ہوتی ہے اسکی تعریف کے گیت گائے جاتے ہیں۔ جب ایک آدمی ناجائز کام کرنے کے لئے نہیں جھکتا اور اپنی تئیں روپیہ کی عوض نہیں بیچتا تو وہ کوئی ذلت کا کام نہیں کرتا اسکی غریبی عزت کے قابل ہے۔ جو شخص اپنے تمام خرچوں کو اُٹھاکر بچا لیتا ہے وہ غریب نہیں ہے۔ جو شخص تمام چیزوں کی جنکو مول لیتا ہے نقد قیمت دے دیتا ہے۔ وہ غریب نہیں ہے بلکہ خوشحال ہے۔ اسکی حالت اُس امیر اشراف سے اچھی ہے جو بقال قسائی۔ بزاز درزی موچی سے چیزیں اُدھار لے کر اپنی حیثیت بناتے۔ کوئی شخص غریب اس سبب سے نہیں ہوسکتا کہ اس پاس کچھ نہ ہو بلکہ اس سبب سے ہوتا ہے کہ وہ کام نہ کرے یا نہ کرسکے۔ جو شخص کام کرنے کی قابلیت رکھتا ہے اور خوشی سے اسکو کرتا ہے وہ اُس آدمی سے بہتر ہے کہ جس پاس دس ہزار روپے ہوں اور کام کرنے کی ضرورت نہ رکھتا ہو غریبی کی برابر کوئی چیز ذہنوں کی تیز کرنے والی نہیں ہوتی۔ اس سبب سے اکثر بڑے آدمی وہی ہوئے ہیں جو پہلے غریب مفلس تھے۔ غریبی اخلاق کو پاکیزہ و نفیس کردیتی ہے اہل ہمت ہمیشہ مشکل کاموں ہی کے کرنے سے خوش ہوتے ہیں۔ اگر ہم تاریخ کی شہادت پر اعتماد کریں تو بہادر۔ شجاع۔ سچے۔ جلیل القدر دولت کے متناسب نہیں گذرے۔

جسقدر کہ بے دولتی کے متناسب گذرے ہیں جو سب میں اچھے ہوئے ہیں وہ غریب ہی ہوتے ہیں اُنھوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ ہماری ضرورتوں کے لئے کافی ہے۔ ایک خداپرست کا قول ہے کہ خدا تعالیٰ نے مسکینی غریبی کو پیدا کیا ہے مصیبت بلا کو نہیں پیدا کیا ان دونو باتوں میں بڑا فرق ہے کہ غریبی مسکینی سچائی کے ساتھ بسر ہوتی ہی مصیبت زدگی عاجز کرتی ہے مصیبت زدہ ہوتا اکثر بدچلنی اور کاہلی اور نشہ بازی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ غریبی مسکینی بے عزتی نہیں جو اس کو اپنا شعار بنا لے۔ مگر جو اس کو لاٹھی بنا کے ہاتھ میں پکڑ کر گرم کرے اور گھر گھر بھیک مانگتا پھرے تو وہ کوئی کام اچھا نہیں کرتا بلکہ زیادہ تر بُرے کام کرتا ہے۔

دولت مندوں کی غریب آدمی بہت زیادہ خوش رہتے ہیں گو ان کی خوشحالی قابل رشک ہوتی ہے مگر ہر کوئی غریب ہونا پسند نہیں کرتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے غریب آدمی جنکے بدن پر کپڑے بھی پورے نہیں ہوتے ہشاش بشاش گاتے پھرتے ہیں کوئی غم و رنج کے آثار اُن کے چہرہ پر نمایاں نہیں ہوتے۔ غرض خوش و ناخوش ہونا مزاجوں کے مختلف ہونے پر موقوف ہے کچھ دولت مندی کی حالتوں کے اختلاف پر نہیں۔ اگر ایک شخص کا مزاج قانع ہو تو وہ ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی والے کی برابر خوش حال رہے گا۔

دولت پر انسان کی بھلائی یا برائی منحصر نہیں ہے۔ دولت بھلائی کا بیج ہے جس کو روح کہ وہ دولت سے بے انتہا زیادہ طاقتور ہے تبدیل کرتی ہے اور اپنی مرضی کے موافق اسکو کام میں لاتی ہی اور اس طرح سے مزاج کو خوش یا ناخوش بناتی ہے وہ خود عطیہ کم دیتی ہے۔

ہمارا ملک بھی خیرات کرنے میں مشہور ہے جسکا بیان آگے آئیگا۔ مگر انگلستان کی برابر کوئی ملک خیرات کرنے والا نہیں اگر کوئی مسافر اجنبی جائے تو وہ ان دریادلوں کی یادگاریں دیکھ کر حیران و ششدر رہ جائے جنھوں نے اپنی دولت کثیر کروڑوں روپیوں کی خود نہ خود دیدی کہ جن سے لاکھوں آدمیوں کی پرورش ہوتی ہی۔ گو اجنبی پردیسیوں کو یہ دیکھ کر

حیرت و تعجب ہو مگر جو وہاں کے اصل رہنے والے حقیقت حال سے آگاہ ہیں وہ اپنے ملک کے حامی اور اپنی قوم کے فدائی ہیں اور وہ اس خیرات کو بڑی نظر تعمق اور تامل سے دیکھتے ہیں وہ اس عطیۂ زر پر یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ ایک امر نہایت مشتبہ ہے کہ خیرات سے خیر محض ہی پیدا ہوتی ہو جیسے اندھا آدمی کبھی بے راہ چلتا ہے ایسے ہی خیرات کا حال ہے کہ وہ اندھی ہوتی ہے اور ان پاس چلی جاتی ہے کہ جن پاس اس کو نہ جانا چاہئے جبتک دانشمندانہ خیرات میں دولت تقسیم نہ کی جائے وہ فائدوں سے کہیں زیادہ نقصان پہنچاتی ہے اگر لندن میں یہ خیرات کی مدد غربا و مساکین کی حالت کو بہتر و برتر کر دیتی تو کوئی شہر دنیا میں اس سے زیادہ خوشحال اور آسودہ نہ ہوتا۔ تین کروڑ روپیہ سالانہ کی خیرات اسمیں ہوتی ہے اور اس کے تین باشندوں میں سے ایک اس خیرات کے کارخانوں سے پلتا ہے۔ چندوں کی فہرستوں کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کسی کار خیر کیلئے چندہ کا جمع ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں کوئی صاحب جاہ و ذی وقعت و صاحب رعب آدمی دولتمندوں سے چندہ کی تحریک کرے تو وہ اسکو خاطر خواہ چندہ دیدینگے۔ کیونکہ ہر شخص خیرات کرنے کو اپنا مذہبی فرض جانتا ہے وہ اس دیدینے سے یہ سمجھتا ہے کہ میرا وقت جو اسکی تقسیم میں خرچ ہوتا وہ بچ گیا۔ مگر اس طرح بے سوچے سمجھے روپیہ کا دیدینا اور اس کا خیال نہ کرنا کہ وہ کس طرح مصرف میں آئیگا۔ خلق کو منفعت پہنچانے کی بجائے مضرت پہنچاتا ہے۔ سچی سخاوت روپیہ دیدینے میں نہیں ہے لے تمیزی کے ساتھ عطیات خیرات کو غربا میں تقسیم کر دینے سے کوئی اثر سوا اسکے نہیں ہوتا کہ وہ اپنی غیرت و حیا کو برباد کر دیں اور اپنی آپ عزت کرنے کو خاک میں ملا دیں اور نیکی کے کام جو ظاہر ہو رہے ہیں ان کے سر رشتے کو ڈھیلا کر دیں۔

بہت سے طریقے خیرات کرنے کے ایسے ہیں کہ جس برائی کے دور کرنے کے لئے وہ کئے جاتے ہیں اسی برائی کو وہ پیدا کرتے ہیں اور غربا کو عادی اس کا بناتے ہیں کہ اوروں کی خیرات سے زندگی بسر کیا کریں اور وہ جو اصلی معاشرت و تمدن کے بہبودی کے اصول ہیں جنکو وہ خود اختیار کر سکتے ہیں اس سے اجتناب کیا کریں

لندن میں یہ خیرات کی کثرت سے محتاجی کی مصیبت رفع نہیں ہوتی ہے بلکہ بڑھتی
ہے اور سوا اس کے اور مصائب پیدا کرتی ہے۔ جاہل کاہل آدمی جانتے ہیں کہ
ہمکو بغیر محنت وسعی کے وہ فائدے اور آرام اور انعام ملجائینگے جو محنت سے ملا کرتے ہیں۔
جزرسی اور کفایت شعاری کی پروا نہیں ہوتی اور تن پروری اور فضولی اور ایسے طریقوں
کے اختیار کرنے کی جس سے افلاس پیدا ہو ان باتوں کی عادت ڈالنے کی لوگوں کو ترغیب
ہوتی ہے + کن آدمیوں کو خیرات دی جاتی ہے ؟ اول اُن آدمیوں کو
جو خود جفاکش اور محنتی نہیں ہوتے وہ خواستگار اوروں کی امداد کے ہوتے ہیں دوم
اُن آدمیوں کو جو بدترین خلائق ہوتے ہیں اُن کو آرام پہنچایا جاتا ہے ایسے کاہل
آدمیوں کی پرورش کا بوجھ کن آدمیوں کے سر پر پڑتا ہے ؟ جو خود بڑے جفاکش
ہوتے ہیں اپنی سعی و عرق ریزی سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ خیرات اپنا ہاتھ
اُن لوگوں کے لیے کھولتی ہے کہ ننگ خلائق ہوتے ہیں۔ وہ ان کی مدد نہیں کرتی
جو جانفشانی کرتے ہیں اور دیانت رکھتے ہیں وہ خیرات جس میں فقط روپیہ کا دینا
ہو ایک پست کام ہے بلکہ ایک کاہلی کی برائی اُس میں پائی جاتی ہے۔
روپیہ دینے سے محبت قومی اور حمایت ملکی کا کام سرانجام نہیں ہوتا۔ ایک شخص
کہتا ہے کہ نیک آدمیوں کے گناہوں سے اور خدا پرستوں کی بدعتوں سے اور
دانشمندوں کی حماقتوں سے جتنے دفتر سیاہ ہو سکتے ہیں اُتنے انسانوں کے ظلم سے
نہیں ہو سکتے۔ دُنیا میں دانشمندوں کی کاموں کا بڑا حصہ یہ ہے کہ وہ نیکی میں سعی
کرنے کی نفی کر دیتے ہیں۔ خیرات سے اکثر عام کاہلی اور برائی پیدا ہوتی ہے۔
انسان کے دل میں خیرات کا جوش اُٹھنا اس کو بڑا خوش کرتا ہے اور خیرات کرنے
پر آدمی کو بڑا فخر و ناز ہوتا ہے۔ مگر انسان کی دانشمندی اس میں بڑا مغالطہ کیا
کرتی ہے۔ اُس سے قومی نیکیوں میں ناقص آدمیوں کی غلطیوں سے ویسی ہی برائی
پیدا ہوتی ہے۔ خیرات کرنا آسان کام ہے مگر جو اس سے برائیاں پیدا ہوتی
ہیں اُن کا روکنا بڑا دشوار ہے۔ محبان قومی اور فدائیان ملکی وہ ہیں کہ وہ فلاکت

محتاجی اور افلاس کے روکنے میں کوشش کریں اور دل سے غربا کی نہایت مدد اس کام میں کریں کہ وہ اپنی مدد آپ کرنے لگیں انگلستان میں بڑی بڑی سوسائٹیاں اس قسم کی ہیں کہ وہ غریبوں کی بڑی مدد اس کام میں کرتی ہیں کہ وہ خود اپنی مدد کرلینے کے قابل ہو جائیں اور دوسروں کی محتاج نہیں رہیں اور اس طرح اپنی حالت کو بہتر اور برتر بنالیں وہ خود بے تمیزی سے دولت کو خیرات میں برباد نہیں کرتے یہ سوسائٹیاں وہ کام کرتی ہیں کہ مزدوروں و ملاحوں کے لئے مکانوں کو اچھا بناتی ہیں حمام اور نہانے کے سامان تیار کرتی ہیں انتظام خانہ داری اور جزرسی و کفایت شعاری کی عادتیں ڈلواتی ہیں اور علم کی اشاعت عوام میں کرتی ہیں یہ کارہائے عظیم ان کے ہوتے ہیں کہ اپنی قوت بازو سے زندگی بسر کرنے کی بنیادوں میں وہ سر انگیز نہیں لگاتیں بلکہ سچے طور پر خلق کو اپنی مدد آپ کرلینے کے اصول کو سکھاتی ہیں اور ہر طرح سے اسی اصول کی حامی اور معاون ہوتی ہیں۔ غرض وہ عام خلائق کی بہبودی کی سچی خیر خواہ اور بہی خواہ ہیں اور ہمیشہ انکی محنت کے نتیجے اچھے ہوتے ہیں۔

اب ہم اپنے ملک کی خیرات کے طریقوں کا ذکر کرتے ہیں ہمارے ملک میں ابتک وہ طریقے وہی چلے آتے ہیں جو پہلے سارے عالم میں تھے مگر ان کی برائیوں کو مہذب ملکوں نے دیکھ کر ترک کر دیا ہے گو وہ ابھی بالکل تو ان کو ترک نہیں کر سکے ہیں مگر آخر کو معلوم ہوتا ہے کہ ضرور وہ ان کو بالکل چھوڑ دینگے۔ ہمارے ملک میں اسی تہذیب و شائستگی نے قدم رکھا ہے۔ کچھ اسکے شدید تقاضے سے ہم بھی طریقے جدید اختیار کرتے رہتے ہیں مگر ابھی تک غلبہ نہیں پرانے طریقوں کو ہے۔ ہمارے ملک میں دو بڑے فریق عظیم ہندو و مسلمان ہیں ان کے خیرات کے طریقے بعض مشترک بعض مختلف ہیں ہندوؤں کے ہاں ایک فرقہ سب سے زیادہ متبرک برہمنوں کا ہے جنکا زیادہ تر حصہ دان پن سے پرورش پاتا ہے۔ ہندوؤں کے یہاں گو یہ فرقہ مخصوص خیرات کے لئے ہو گیا ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ ان میں برہمن

جیسے بیکار اور کاہل اور تن پرور ہوتے ہیں ایسے کسی اور فرقہ کے ہندو نہیں ہوتے
جہاں جہاں بڑے بڑے شوالے اور مندر ہیں وہاں گروہا گروہ برہمن ایسے دیکھنے میں آتے
ہیں کہ وہ کچھ کام نہیں کرتے۔ دان پن سے پرورش پاتے ہیں اور بہت کچھ اُن کو ہاتھ آتا ہے
ان میں سے اکثر مال کو بُری طرح خرچ کر ڈالتے ہیں۔ ان میں محنت کرنی اور مشقت اٹھانے
کی عادت بہت کم ہوتی ہے۔ بھوجن کرنا۔ نشہ پینا۔ سو رہنا۔ غرض یہ کام کرتے ہیں جو
جاہل کاہل کیا کرتے ہیں غرض اس خیرات کے طریقہ نے کاہلی کو بڑھایا ہے محنت کو گھٹایا
ہے مسلمانوں کے ہاں ڈھائی روپیہ سیکڑا مال پر زکاۃ بشرائط چند فرض ہے۔ اس
کا روپیہ غربا و مساکین میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ باقی اور صدقات بھی اسی طرح تقسیم ہوتے ہیں
غرض جو طریقہ خیرات کرنے کا ہے۔ وہ ایسا ہے کہ جس سے مسلمانوں میں گدائی کا
پیشہ روز افزوں ہوتا جاتا ہے اور ہزاروں مسلمان جو محنت و مشقت سے گذارہ کر سکتے
ہیں وہ فقط اس خیرات کے بھروسہ پر جیتے ہیں + اکبر شہنشاہ نے لکھا ہے کہ میں نے یہ
چاہا کہ اپنے ملک سے گدائی کو معدوم کر دوں اور اس کے واسطے دولت فراواں خرچ کی
مگر جتنی دولت زیادہ خرچ کی اسی قدر گدائی زیادہ ہوئی اور مقصد نہ حاصل ہوا۔ جب
دولتمندوں کو موت قریب نظر آتی ہے تو وہ اپنی دولت کے باب میں فکر و تامل کرتے ہیں
اور جب وہ مجرد یا لاولد ہوتے ہیں تو اُن کو اور بھی زیادہ فکر پڑتی ہے کہ جو دولت کے
ڈھیر اپنی زندگی میں جمع کئے ہیں ان کو کیا کریں ہندوؤں کے ہاں تو کسی لڑکے کو متبنی
کر کے ساری دولت اُس کے حوالے کرتے ہیں مگر بعض اسی کے ساتھ یہ بھی کرتے
ہیں کہ بڑے بڑے مندر ٹھاکر دوارے تالاب اور رفاہ عام کی عمارات بناتے ہیں اور
اس کے خرچوں کے لئے بڑی بڑی جائدادیں مقرر کر دیتے ہیں سدا ورت بانٹنے کے
لئے سرمایہ دیدیتے ہیں اور ایسے مسلمان دولتمندوں کے ہاں دستور ہے کہ ان کے
مرنے کے بعد عزیز و اقربا میں وہ دولت تقسیم ہو جاتی ہے یا کسی خاص عزیز کو وہ
اپنی زندگی میں ساری دولت کو ہبہ کر دیتے ہیں۔ مگر بعض ان میں سے خانقاہ و
مدرسہ و مسجد و چاہ و دار الشفا اور فائدہ عام کی عمارات بناتے ہیں اور ان کے

خیراتوں کے لیئے جائدادیں وقف کر جاتے ہیں غرض ان دونوں قوموں کی اس قسم کی خیرات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان مواقف کی جائدادوں کا بڑا حصہ متولیوں اور خادموں کے حصہ میں آتا ہے اور کچھ تھوڑا سا اس کام میں بھی صرف ہوتا ہے جس کے لیئے دیا گیا تھا ایسی آمدنیاں بہت سے آدمیوں کو کاہل و تن پرور بناتی چلی جاتی ہیں اب تک ان خیراتوں کا رواج پڑا ہے مگر تہذیب جدید کے تقاضائے شدید سے بعض آدمی اپنی دولت کو اس طرح بھی خیرات کرنے لگے ہیں جس طرح مہذب و تعلیم یافتہ ملکوں میں اور جہاں تعلیم انگریزی زیادہ ہے جیسے بمبئی کلکتہ مدراس وغیرہ تو وہاں دولتمند خیرات اپنے قدیمی طریقوں کے مطابق نہیں کرتے بلکہ جدید طریقوں کے مطابق کرتے ہیں لاکھوں روپیہ تعلیم کی اشاعت کے لیئے اور دارالشفاؤں کی تعمیر کے لیئے دیدیتے ہیں۔ غرض ان کی خیرات کیا تو ان آدمیوں کی پرورش میں کام آتی ہے جو ایسے محتاج ہیں کہ کسی طرح اپنا گذارہ کر ہی نہیں سکتے۔ یا غریبوں کو اس قابل بنانے کے کام میں آتی ہیں کہ وہ آپ اپنی مدد کریں اور اپنی قوت بازو سے اپنا گذارہ کر سکیں خیرات سب طرف اپنی کالیو کو کھلاتی ہے۔ مگر ان میں تھوڑی ہی ایسی ہوتی ہیں کہ پھل لاتی ہیں اکثر بیخ مردہ ہو کر گر پڑتی ہیں ہماری خیرات کرنے کے اکثر طریقے نیک آدمیوں کے ایسے جرم ہیں کہ جنکی سزا خلق کو یہ ملتی ہے کہ انکی ہمت غیرت اور اپنی قوت بازو سے کمانے کی عادت اڑتی چلی جاتی ہے۔ اس لیئے اب بڑے بڑے تعجب خیز فیاضوں کو اس طرف خیال کرنا چاہئے کہ وہ خیرات کے طریقے ایسے اختیار کریں کہ جیسے غربا بذات خود اپنی آپ مدد کرنے کا اصول اشاعت پائے نہ یہ کہ کاہلی و گدائی و بے غیرتی و بے ہمتی پھیلے۔

باب دہم

گھروں کا صحت بخش ہونا۔

رہنے کے مکانات کا عمدہ ہونا تہذیب کے لیئے کفالت ہے۔

(۲۰) صفائی غربا کے لئے زیب و زینت ہے۔

(۲۱) غلیظ و نجس آدمی کے ساتھ نیکی دیر تک نہیں رہ سکتی۔

صحت کو دولت کہتے ہیں یہ سچ ہے۔ اس لئے کہ ساری دولت بغیر صحت کے کوڑی کے
کام کی نہیں ایک تندرستی ہزار نعمت مشہور ہے۔ جو شخص جسمانی یا دماغی محنت کرتا ہے
وہ ضرور تندرستی کو اپنی بیش بہا چیزوں میں سے خیال کرتا ہے۔ بغیر تندرستی کے
زندگی بڑی بے لطف ہوتی ہے اور اس میں کوئی خوشی نہیں حاصل ہوتی۔ انسان
کی زندگی کا ایک مآل خوشی بھی ہے اور انسان کی ساری ساخت و نظم و قوام جسد یا
نہایت خوبی کے ساتھ خوشی کے لئے موزوں کئے گئے ہیں کل حواس باصرہ
سامعہ شامہ ذائقہ۔ لامسہ کو کام میں لانے سے آدمی کو خوشی حاصل ہوتی ہے
اس سے زیادہ کوئی خوشی آدمی کو نہیں ہوتی کہ اُسکے دل میں یہ احساس ہو کہ میں
تندرست ہوں۔ انسان کی کل جذبات کی بجا آوری کے مجموعہ کا نام تندرستی ہے
جب آدمی اپنے سب کام درست طور پر بجا لاتا ہے تو اُسکو تندرستی حاصل ہوتی
ہے۔ انسان کی زیست کا مآل ہی خوشی نہیں ہے بلکہ ایسی شرط حیات ہے جو
معاد زیست کو دراز کرتی ہے۔ جو انسان خوش دل رہتا ہے وہ زیادہ دن تک
جیتا ہے۔ جو زیادہ رنجیدہ رہتا ہے وہ جلد مر جاتا ہے۔ غم و رنج کی برابر کوئی گھن
انسان کا نہیں ہے پس خوشی کا بڑھانا زندگی کا بڑھانا ہے اور رنج و فکر میں ڈالنا
زندگی کا گھٹانا ہے۔ تندرست آدمی کا خوشدل رہنا ایک قاعدہ کی بات ہے
رنج و بلا میں مبتلا ہونا اس قاعدہ کے مستثنیات میں ہیں۔ رنج سہنا بُرا نہیں ہوتا۔
بلکہ وہ ہمارے لئے سود مند تنبیہ کرنے والا ہوتا ہے۔ وہ ہمکو خبردار کرتا ہے کہ ہم نے
کسی قاعدہ کی پابندی کم لے نہیں کی کسی جسمانی فرض کی بجا آوری نہیں کی کسی قانون
کے خلاف کام کیا۔ وہ گویا واعظ ہوتا ہے جو ہمکو نصیحت کرتا ہے کہ تم اپنی معاشرت
زیست کی اصلاح کرو۔ جبکہ ہم سنتے یہ ہوتے ہیں کہ تم فطرت کی طرف رجوع کرو اسکے قوانین کو
مطالعہ کرو تو تم اپنی خوشدلی کی حالت پر بحال ہو جاؤ گے [illegible]

ہوتا ہی لیکن حقیقت میں انسان کی جسمانی بہبودی کی شرائط بھی ایک رنج بھی ہی جیسے کہ زندگی کے متمتع ہونے کی شرائط میں سے موت ہے اسیواسطے جسمانی مسرت وانبساط کے لئے قوانین فطرت کے موافق چلنا چاہئیے۔ ان قوانین کے معلوم کرلینے اور مشاہدہ کرنیکے لئے خداتعالی نے عقل دی ہی۔ بس جوکوئی اس عطیہ الہی کے کام میں لانے کے اندر قصور کریگا۔ اور اپنی ہستی کے قوانین کے مطابق چلنے میں غفلت کریگا۔ اسکا ضرور یہ نتیجہ وہ پائیگا کہ بیمار پڑیگا اور رنجیدہ خاطر ہوگا۔

انسان خود اپنی ذات کے لئے قوانین فطرت کے خلاف کام کرتا ہی جسکے سبب سے مصیبتیں اپنے سر پر لاتا ہے سست پڑا رہتا ہے بھوک سے زیادہ کھانے لگتا ہی جسکے سبب سے بدہضمی وگٹھیا وصرع کے امراض میں مبتلا ہوتا ہے۔ جب بہت شراب پینے لگتا ہے طرح طرح کے امراض رعشہ ضعف معدہ وسقوط اشتہا اسکے شکار کرنے کے لئے قدم اٹھاتے ہیں۔

اسی طرح آدمیوں کے گروہوں پر آفت آتی ہی کہ نہ وہ اپنے ضلعے میں پانی کے نکاس کا انتظام کرتے ہیں نہ اپنی گلی کوچہ کی صفائی کا اہتمام کرتے ہیں عوام الناس میں بہت سے آدمی اکٹھے ہو ہو کر ایسی مسکنوں میں رہتے ہیں کہ جو اپنے ہمسایہ کے متعفن ہوا کے آنے سے مسموم نیم جاں ہوجاتے ہیں اور جس سے بخار۔ ہیضہ اور اور وبائیں پیدا ہوکر پھیلتی ہیں اور موت اور تباہی کو اپنی ساتھ لے آتی ہیں۔ ایسی حالتوں میں جو مصیبتیں اور بلائیں نازل ہوتی ہیں آدمی خود اپنے اوپر لاتا ہے اس لئے کہ ان کے انسداد کا علم جسکا حاصل کرنا اسکے اختیار میں ہے وہ نہیں حاصل کرتا۔

قاعدہ ہے کہ آدمیوں کے تنفس سے کاربونک ایسڈ نکل کر ہوا میں ملتا ہے اگر وہ پھر سانس کے ساتھ پھیپھڑے میں ہوا کے ساتھ جائیگا تو زہر کا اثر پیدا کریگا۔ اس لئے اگر خراب ہوا کے نکالنے اور صاف ہوا کے آنے کا انتظام نہیں کیا جائیگا تو جہاں آدمی بہت سے جمع ہوکر رہینگے وہاں کی ہوا میں سمیت پیدا ہوجائیگی۔ انسان کی صحت پر تازہ ہی اور صاف ہوا اثر عظیم رکھتی ہے۔

ناقص غذا سے وہ نقصان نہیں پہنچتا ہے جتنا ناقص ہوا سے۔ جس شخص کی عمر چودہ برس سے زیادہ ہو اسکو بند مکان میں چوبیس گھنٹہ کے اندر چھہ سو مکعب فیٹ اور چودہ برس سے کم عمر کے لئے آٹھ سو مکعب فیٹ ہوا چاہئے اور ہر گھنٹہ میں پانچ دفعہ بادکش سے بدلنی چاہئے تاکہ صاف تازی ہوا آتی رہے۔ جو ہوا سانس کے ساتھ آدمی کے اندر سے نکلتی ہے وہ اس سے زہر آلودہ ہو جاتی ہے کہ اسکی جگہ ہمیشہ تازی ہوا کی ضرورت بند مکانوں میں ہوتی ہے۔ اگر آدمی کسی تنگ و بند مکان میں سورہے تو بہ تدریج کم و بیش اس کا دم سینہ میں گھٹنے لگے گا۔

حیوان سے انسان کی حالت بہتر کرنے کے لئے اول ضرورت یہ ہے کہ اس کے واسطے مکان ایسا بنایا جائے کہ جسمیں وہ تندرستی کے ساتھ رہ سکے۔ کیونکہ دنیا میں آدمی کے لئے گھر ہی سب سے بہتر مدرسہ ہے۔ بچے اسی میں پل کر بڑے ہوتے ہیں برے بھلے اخلاق اسی میں سیکھتے ہیں گھر ہی انسانیت شائستگی و تہذیب کی تعلیم گاہ ہے۔ اچھے گھر میں ظاہر و باطن کی صفائی پیدا ہوتی ہے۔ برے گھر میں اخلاق کی موت آتی ہے۔ اور نجاست ظاہری اور خباثت باطنی پیدا ہوتی ہے گھر کی تعلیم سرسری نہیں ہوتی کہ وہ سر سے ٹال دی جائے۔ عارضی نہیں ہوتی کہ الگ کردی جائے! بلکہ وہ شیر کی ساتھ آدمی کے جسم و دل میں داخل ہوتی ہے اور جان کے ساتھ جاتی ہے۔

گھر کو فقط کھانے پینے اور سونے کی ہی جگہ نہ خیال کرنا چاہئے بلکہ ایسی جگہ سمجھنی چاہئے کہ جہاں ہم اپنی آپ عزت کرنے کی حفاظت کرسکتے ہیں دل کا آرام اور چین پاتے ہیں خانگی خوشیاں مناتے ہیں۔ تین چوتھائی چھوٹی چھوٹی برائیاں جو ہم کو ذلیل کرتی ہیں۔ اور بڑھ کر جرم و عصیاں ہو جاتی ہیں وہ سب اپنی آپ عزت کرنے سے اور خودداری سے دور ہو جاتی ہیں۔ گھر میں صفائی و محبت و عقلمندی کے عمل پیدا کرنے چاہئیں جس سے وہ ایسا بن جائے کہ جہاں راحت دلی حاصل ہو اور اس کے ارکان پر خاص کر بچوں پر فیض رساں اثر پہنچے۔ ان مطالب کے حاصل کرنے کے واسطے گھر میں محنتی اور تعلیم یافتہ عورت کا ہونا ضرور ہے۔ گھر کی خوشی و ناخوشی عورت

ہی کے اختیار میں ہوتی ہے۔ کوئی قوم آگے نہیں بڑھ سکتی۔ جب تک قوم کے گھروں کی ترقی و درستی نہ ہو اور گھر کی ترقی عورتا ہی کے . . . . توسل اور توسط سے ہو سکتی ہے۔ عورتوں کو سکھانا دبتلانا چاہیے کہ گھر کس طرح آرامگاہ بنتا ہے۔ جس گھر میں عورت بے سلیقہ ہے گی وہ گھر گھر نہیں ہے بلکہ سونے اور کھانے کا مکان ہے جسمیں آسائش و آرام کم ہے اعلےٰ ادنےٰ متوسط آدمیوں کے مکانات بہت ہی کم ایسے ہوتے ہیں کہ وہ صحت تندرستی کے محافظ ہوں اور ان میں آسائش و آرام ملتا ہو۔ امراء کے مکانات بھی غربا کے ایسے مکانات سے چاروں طرف گھرے ہوتے ہیں کہ قوم میں حفظ صحت کا کوئی اصول جاری نہیں ہوتا۔ ہماری عادت ہی میں داخل نہیں کہ مکانوں کو تعمیر اس نظر سے کریں کہ ان میں حفظ صحت ہو۔ غربا سستے کرایہ کے مکانات لینے پسند کرتے ہیں۔ کچھ اس پر خیال نہیں کرتے کہ کرایہ کی بچت یوں غارت ہو جائے گی کہ غلیظ مقامات پر بُرے مکان میں رہنے سے بیماریاں ستائینگی اور اس کے سبب سے حکیم و دوا میں روپیہ خرچ ہوگا اور بیماری کے سبب سے جو بیکاری ہوگی اسکی زیرباری ہوگی غرض مکانات کی اس بے عنوانی سے ہم اپنی دولت اور عزت کا نقصان کرتے ہیں مریض رہتے ہیں موت کو جلد بلاتے ہیں ہمارے مکانات میں ایسی بے آرامی ہوتی ہے کہ اگر مہذب ملکوں کے حکماء بھی آن کر ان میں بسیں تو وحشی ہو جائیں۔ غرض اس طرح سے مکانات کی درستی سے روپیہ بچانا کچھ انتظام اور کفایت شعاری کی بات نہیں ہے بلکہ فضولی ہی غربا کی مکانات کی خرابی کے سبب سے متوسطین و امراء کا بھی بڑا نقصان ہوتا ہے ان کے کاموں میں حرج ہوتا ہے۔ ان کے کارخانے بند ہو جاتے ہیں مہذب ملکوں میں اس کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے کہ غربا کے لئے ایسے مکانات تیار کرائے جائیں کہ جنمیں ان کی صحت کی حفاظت ہو۔ ہمارے شہروں اور قصبوں اور دیہات میں مطلق اس طرف توجہ نہیں کہ جو مکانات اپنی ہوا سے امراض کو پیدا کرتے ہیں ان کی بیخ کنی کی جائے اور ان کے بجائے اچھی مکانات تیار کرائے جائیں یہ خرابی زیادہ تر دیہات میں ہے۔ زمیندار گو اور طرح کی بڑی بڑی خیراتیں وہ تیں خیرات کے کاموں میں کرتے ہیں۔ مگر وہ

اپنی رعیت کے مکانوں کی طرف ذرا خیال نہیں کرتے کہ وہ اس طرح نحس رہتے ہیں جیسے کہ زمینداروں اور علاقہ داروں اور دولتمندوں کو ضرور ہے کہ وہ اپنی توجہ غربا کے مکانات کے اصلاح کی طرف کریں کہ جن سے اُن میں حفظ صحت ہو۔ اس سے غربا ہی کو فائدہ فقط نہیں حاصل ہوگا۔ بلکہ اُن کو خود بھی۔ ہزاروں مکانات دہات میں ڈھانے کے قابل ہوتے ہیں۔ ان کو چاہئے کہ زمیندار مسمار کرا کے ایسے مکانات بنوادیں کہ رعیت ان میں صحت و تندرستی کے ساتھ آباد رہے۔ ایسے مکانوں کے بنانے میں جنمیں رہنے والوں کو تندرستی حاصل ہو۔ کچھ تھوڑا ہی سا روپیہ ان مکانوں کی بہ نسبت زیادہ بنانی میں لگتا ہے۔ کہ جنمیں تندرستی رہنے والوں کو نہ حاصل ہو۔ صرف ان کے بنانے والوں کے لئے دو باتیں ضرور ہیں کہ وہ حفظ صحت کی شرائط جانتا ہو اور اس کے لئے سامان مہیا کرنے پر آمادہ ہو۔ ظاہر ہے کہ دونو طرح کے مکانوں کے لئے۔ زمین۔ اینٹ۔ چونے اور مصالح کا خرچ یکساں ہے۔ پاکیزہ و ناپاک ہوا کی قیمت ایک ہے۔ روشنی مفت ہے۔ پس جو گھر ایسا تو کو بناہوا ہو کہ جسمیں رہنے والے تندرست رہیں اور ایک کفایت شعار نفیس مزاج اس کا مہتمم ہو تو پھر وہ گھر آرام و نیکی و خوشدلی کا گھر ہے۔ اس میں جتنے تعلقات رشتہ مندی کے ہونگے وہ نہایت خوبی کے ساتھ اپنے جلوے دکھائینگے۔ خاوندوں کو بیوی بچوں کی آوازیں نغموں سے کم نہ معلوم ہونگی ہمسایے اچھے معلوم ہونگے۔ ایسا گھر فقط گھونسلا عقل حیوانی کا نہ ہوگا۔ بلکہ بچوں کے لئے تعلیم گاہ۔ دلوں کی عبادت گاہ۔ آندھی و بارش کے طوفانوں سے بچنے کے لئے امن گاہ۔ محنت کے بعد آرام گاہ۔ غمگین حالت میں تسلی گاہ۔ کامیابی کی حالت میں فخر و ناز کرنے کا مقام۔ غرض ہر حال میں ہر وقت خوش کرنیوالا ہوگا۔ سارا علم صحت فقط اس ایک لفظ صفائی میں آجاتا ہے۔ صاف ہوا۔ صاف پانی اسکے دو اجزاء عظم ہیں جہاں نجاست۔ غلاظت ہو۔ اسے دھو کے دور کرو۔ انسان کے کل علموں میں یہ علم نہایت آسان ہی اور سب کی سمجھ میں آتا ہے۔ شاید اسی سبب سے آدمی اُسپر ایسا ہی کم متوجہ ہوتا ہے جیسا کہ اور اشیاء مروجہ عامتہ پر۔ بعض عاقل یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ سرے سے علم ہی نہیں۔ بھلا ان باتوں کے لئے علم کی ضرورت کیا ہے

کہ ایک کمرہ میں تازی ہوا کے آنے کے لئے بادکشی کی جائے کسی مقام میں پانی کے نکاس رستے بنا دئے جائیں۔ مکان اور جسم صاف رکھنا چاہئے۔

یہ علم بڑا بے لطف ہے اس کا موضوع یہ ہے کہ کہاں ہو سہی۔ گھر میں ہی۔ گلی کوچہ میں۔ شہر میں سے میلاپن دور کیا جائے۔ یہ علم فقط ان مختصر الفاظ میں بیان ہوتا ہے کہ جہاں کہیں میلا پن ہو اسے فوراً دور کرو اور صفائی کے لئے بہت سا تازہ پانی اور بہت سی تازی ہوا انسان کی تندرستی کے لئے بہم پہنچاؤ۔

شہروں قصبوں دہات میں دیکھتے ہیں کہ جہاں نجاست و غلاظت کا انبار لگا وہاں بخار شروع ہوا اور ہزاروں کی جان گئی۔ جب یہ نجاست و غلاظت دور کی گئی اور صاف پانی اور صاف ہوا کا انتظام کیا گیا تو بخار رفع دفع ہوا۔ دواؤں سے کہیں زیادہ فائدہ اس انتظام سے ہوتا ہے۔ کاش پہلے سے اسکا انتظام ہم کرلیا کریں اور حفظ ما تقدم کا خیال کریں تعجب یہ ہے کہ جب ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ سے قتل ہوتا ہے تو ہمارے دل پر چوٹ لگتی ہی مگر بخار اور امراض سے ہزاروں اس سبب سے مرتے ہیں کہ ہم نے خود نجاستوں کا ڈھیر لگا کے وباؤں کو پیدا کیا ہے کچھ پروا نہیں کرتے۔ ہر سال ہم دیکھتے اور سنتے ہیں کہ ایک ضلع میں بخار اور امراض وبائی سے اتنے آدمی مرجاتے ہیں کہ کسی جنگ عظیم میں اتنے آدمی نہیں مرتے۔ زیادہ تر ہماری جانیں اس سبب سے تلف ہوتی ہیں کہ ہم ان امراض کا انسداد نہیں کرتے۔ جنکا روکنا ہمارے اختیار میں ہی۔ حفظ صحت میں غفلت کرنے کا عذاب ہم پر پڑتا ہے کہ ہزاروں جانوں کا نقصان ہوتا ہے اور بیواؤں اور یتیموں کی پرورش کا بار زندوں پر پڑتا ہے۔

اخلاقی اور جسمانی صحتیں باہم توام ہیں اور خانگی اور جمہور کی بہبودیاں آپس میں پیوستہ ہیں میلے کچیلے رہنے کا مہلک اثر یہ ہے کہ ہمارے اخلاق بھی امراض میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور وہ امراض جسمانی سے زیادہ ہم کو ستاتے ہیں جب ہمارے جسم کو ہوائے ناقص کا اثر کمزور کرتا ہے اور ہم اسکو بخس رکھتے ہیں تو ہمارا دل بھی نجاست آلودہ و رذالہ ہو جاتا ہے غرض کہ روزانہ صحت کی خبر نہ رکھنے سے بہت نقصان

ہوتے ہیں۔ پھر اسکا سبب کیا ہے کہ سب آدمی حفظ صحت کے علم پر عمل نہیں کرتے؟
اسکی وجہ بے پروائی اور کاہلی ہے۔
شہروں وقصبوں میں میونی سپل کمیٹیاں ہیں جنکا کام خاص صفائی شہر وقصبہ ہے
مگر وہ محنت اور ہر وقت توجہ نہیں کر سکتیں جسکی ضرورت صفائی کے لئے ہے اور ان
چیزوں کے دور کرنے کے واسطے جن سے وبائیں اور امراض پیدا ہوتے ہیں اکثر لوگ کہا
کرتے ہیں کہ وہ پہلا ہی زمانہ اچھا تھا کہ جسمیں یہ میونی سپل کی کمیٹیاں نہ تھیں
اس زمانہ میں امراض کی ایسی شدت تھی۔ نہ وبائیں ایسی جلدی جلدی آتی تھیں۔
وبائوں اور امراض کی کثرت کا سبب وہ میونی سپلٹی کے سر رشتہ کو جانتے ہیں مگر ہمکو
یہ جاننا چاہئے کہ اسمیں ہمارا ہی قصور ہے۔ کوئی ہماری غذا کو ملونیاں ملا کے بگاڑتا ہے
کوئی ہمارے پانی کو زہریلا کرتا ہے۔ کوئی آب متعفن ہمارے پینے کے لئے لاتا ہے
کوئی گلیوں اور مکانوں کو نجس رکھتا ہے کوئی شہروں وقصبوں میں پانی کے
نکاس اچھے نہیں بناتا ہے جس سے پانی سڑتا ہے۔ ان ساری برائیوں کا کافی
انسداد گورنمنٹ کے قوانین سے نہیں ہو سکتا جبتک ہم خود ان برائیوں کے
دور کرنے میں بدل وجان مصروف نہ ہوں۔ ہمارا یہ قصور ہے کہ ہم ان باتوں کا
الزام اپنے اوپر نہیں لگاتے۔ فقط پانی کے نکاس کے رستے اچھی طرح بنا دینے سے
بدرئوں کے رواں رکھنے سے۔ سڑکوں اور فرش کے بنا دینے سے۔ پانی
کے نل جاری کردینے سے۔ غلیظ مکانوں کے مسمار کر دینے سے۔ شہروں و
قصبوں میں صفائی کی وہ ترقی نہیں ہوسکتی جو اس طرح سے ہوسکتی ہے کہ ہم اپنے
گھروں کو صاف اور ستھرا رکھیں میونی سپل کمیٹی گھروں سے باہر انتظام
کرنے والی ہوتی ہے۔ اسکا انتظام گھروں میں داخل نہیں ہوسکتا **مصرع**
محتسب را درون خانہ چہ کار + اس کا کام گھروں سے باہر یہ ہے کہ گلی کوچوں و
سڑکوں پر سبیل کو پھیلنے نہ دے۔ اس کو دور کرے۔ حیوانات کے گوبر اولید وراز و
سڑے گلے نباتات سے اور اور خس وخاشاک سے ان کو پاک وصاف رکھے

تاکہ ہوا جوان گلی کوچوں میں دورہ کرتی ہوئی گھروں میں جائے تو اپنے ساتھ تعفن و ایسی نہ لیجائے کہ جس سے گھروں میں بیماریاں پھیلیں اور ناوقت موتیں آئیں کسی طرح میونسپل گھروں کے اندر دخل نہیں دے سکتی اور نہ اُس کو دخل دینا واجب ہے پس صفائی کے لئے ہماری اپنی کوشش کی ضرورت ہے۔ گورنمنٹ کے قوانین آئین سے پورا نفع نہیں پہنچ سکتا۔ گورنمنٹ اپنی رعایا کے لئے خود مکان نہیں بناتی۔ ہم خود اپنے رہنے کے مکان بناتے ہیں۔ ہاں گورنمنٹ کا کام یہ ہے کہ وہ ہمکو یہ سکھادے کہ اپنے گھروں کو کیونکر ستھرا اور صاف و پاکیزہ رکھیں سو وہ سکھاتی ہے۔ تمام مدارس میں حفظ صحت کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ دیہات کی صفائی کے رسالے تقسیم ہوتے ہیں اگر گورنمنٹ کے ساتھ کوشش کرنے میں امیر دولتمند زمیندار تعلقہ دار جاگیردار کارخانہ دار بھی شریک ہو جائیں اور خود نمونہ بنیں تو زیادہ ملک کو فائدہ پہنچے۔ یہ لوگ خود دو چار مکان نمونے کے طور پر بنا دیں کہ جنمیں ہر طرح کی آسائش و آرام ہوا اور صحت و تندرستی کے سارے سامان ہوں۔ ان آسودہ حالوں کی کوشش کے ساتھ غریبوں کی بھی مشارکت بالعمل ضرور ہے کہ وہ سب آپس میں متفق ہو کر صفائی مکانات کا انتظام کریں۔ بغیر ان کی مشارکت کے بھی کام پورا نہ ہوگا۔ اگر ان کے گھروں کے واسطے صاف پانی کا انتظام کر دیا۔ مگر ان میں عورتیں ایسی غلیظ و بدسلیقہ رہتی ہیں کہ اس صاف پانی کو غلیظ کر کے کام میں لاتی ہیں تو پھر اس پانی سے کیا فائدہ پہنچے گا۔ تازی ہوا کے آنے جانے کا بندوبست کر دیا گیا دروازے کھڑکیاں لگا دی گئیں مگر گھر میں غلاظت کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ کھڑکیاں دروازے بند ہیں پھر پاکیزہ ہوا ان تک کیونکر پہنچ سکتی ہے۔ غرض صحت کا سارا مدار گھروں کی صفائی پر ہے اور گھروں کی صفائی عورتوں پر منحصر ہے۔ پس جبتک عورتوں میں صفائی کی عادت نہ پیدا ہوگی۔ حفظ صحت مشکل ہے۔ اگر مکان تنگ ہو اور رہنے والے بہت سے ہوں۔ مگر ان میں عورتیں ایسی رہتی ہوں کہ جنکے مزاج میں صفائی ہو تو سارے گھر والے آرام سے تندرست رہ سکتے ہیں لیکن اگر مکان فراخ ہو اور ساری باتیں اس میں ہو جو صحت کے لئے ضروری ہیں مگر رہنے والے اس میں ایسے ہوں کہ جنکی عورتیں غلیظ و غلاظت پسند ہوں تو تعفن

مکان سے رہنے والوں کو کچھ فائدہ نہ پہنچے گا بے آرام اور مریض رہینگے۔ غرض جب
آدمیوں کی عادت میں صفائی اور پاکیزگی اور ستھراپن نہیں داخل ہوگا اس سے بہت فائدہ
نہیں پہنچیگا کہ میونسپل کمیٹی کے انتظام سے سڑکوں پر دو وقت جھاڑو اور چھڑکاؤ ہوا کرے
نل کا پانی جاری رہے۔ دو وقت گھروں سے غلاظت اُٹھا کر بہت دور بھیجی جایا کرے
ان سب باتوں سے جب ہی فائدہ عظیم پہنچ سکتا ہے کہ پاکیزگی اور ستھراپن عادت میں داخل ہو
غرض مکانات کی صفائی کی ایسی ضرورت نہیں ہے جیسے ایسے آدمیوں کی حاجت
ہے کہ وہ تعلیم یافتہ ہوں اور ستھرے پن اور پاکیزگی و صفائی کے قدر شناس ہوں۔ یہ غلطی
ہے کہ پہلے آدمیوں کو صفائی کی عادت نہ ڈلوائی جاوے اور ان کے لئے سامان صفائی
تیار کیا جائے۔ ایسا کرنا آئینہ داری در محلس کوراں ہے۔

غرض بڑی ضروری اور بکار آمد بات یہ ہے کہ رعیت میں صفائی کی عادت ڈلوائی
جائے یہ بغیر پڑھانے لکھانے کے ہو نہیں سکتی۔ صفائی قوت ہاضمہ سے بھی زیادہ
ضروری ہے۔ شفا دینے والی دواؤں سے بھی زیادہ فائدہ مند صفائی ہوتی ہے۔
اس سے اپنی آپ عزت کرنی اور خود داری پیدا ہوتی ہے اور سارے خاندان کے
اخلاق پر اسکا اثر ہوتا ہے۔ وہ کفایت شعاری کی سب سے زیادہ درخشاں مثال ہوتی
ہے۔ وہ انتظام خانہ داری کے لئے ایسی ضرور ہے جیسے حیات کے لئے مستقل مزاجی
خانہ داری کے ہر کام میں وہ کام آتی ہے۔ وہ آسائش و آرام و بہبودی پیدا کرتی
ہے قوموں کی ترقی اور شائستگی و تہذیب سے مددگاروں میں سے ایک بڑی مددگار ہے
ایک ڈاکٹر صاحب سیاحوں کو یوں ہدایت فرماتے ہیں کہ جب وہ کسی شہر کی سیر میں
جائیں تو اول یہ دیکھیں کہ وہاں کے باشندوں کے گھر کیسے ہیں اور صفائی و طہارت کیونکر
کیا ہے اور غلاظت و نجاست کے دور کرنے کا انتظام کیسا ہے اس بات کو جب
حال باشندوں کی اپنی آپ عزت کرنے و خود داری و محنت شعاری و اخلاق و
معاشرت کا معلوم ہوگا ایسا اور وہاں کے واقعات پر علم حاصل کرنے سے نہیں ہوگا
نہیں بھی صفتیں اور خود اپنی آپ عزت کرنی والی اور شائستہ طور سے رہنے والی ہوتی ہیں

اتنی ہی وہ صاف اور ستھری رہتی ہیں شہروں و قصبوں میں جو میلے کچیلے گروہ رہتے ہیں وہ
ان کے لئے بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ ایک میلا کچیلا غلیظ ناپاک آدمی سڑک پر چلتا ہے وہ کیڑے
پیچھے کے باریک باریک پھرے سڑک پر چلنے والوں کے لگاتا ہے۔ اگر ہم ناشائستہ غیر مہذب
آدمیوں کو مہذب بنانا چاہیں تو اول انکی غلاظت و نجاست کو دور کریں۔

طبیعت انسانی میں کوئی بات ایسی نہیں ہے کہ جسکا مقتضا یہ ہو کہ وہ نجس رہے اس لئے
طبیعت کا کوئی حصہ نجاست نہیں ہے بلکہ وہ عارضی طور پر آدمی کے پیچھے لگ جاتی ہے اور
اسکی جان کھاتی ہے اور بربادی لاتی ہے۔ اس سے کیسی کراہیت اور نفرت ہوتی ہے
اگر کوئی حسین مہ پارہ بھی نجاست میں بھری ہو تو اس سے طبیعت متنفر ہوگی۔ اس سے
بچے بھی پر چڑچڑے بدمزاج ناخوش بے چین ہو جاتے ہیں اس سے آدمی ذلیل و خوار و بے قرار
ہو جاتا ہے۔ میلے رہنے سے حیا کم ہو جاتی ہے۔ میلاپن بھی بڑی بے حیائی ہے
جسکا جسم ناپاک ہے اُسکا دل بھی بہت ہی کم پاک ہوتا ہے۔ روح کی عبادت گاہ جسم
ہے۔ پس آدمی کو چاہئے کہ جیسے وہ اپنی عبادت گاہوں کو پاک صاف رکھتا ہے اسی
طرح جسم کو ستھرا رکھے۔ اکثر نشہ باز افیونی شرابی۔ چنڈو باز اور ناشائستہ کردار میلے کچیلے رہتے
ہیں ان کو ان آفات سے بچانا چاہئے۔ طہارت جسمانی طہارت روحانی کا باعث ہوتی
ہے۔ اس لئے مشرقی قوموں میں مغربی قوموں کی طرح عبادت کے بعد طہارت نہیں
سمجھی جاتی بلکہ وہ عبادت کا ایک جزو قرار دی گئی ہے۔ بغیر اسکے عبادت مقبول نہیں ہوتی
اس لئے کہ جناب باری کے حضور میں عبادت کے لئے کھڑا ہونا اور جسم کا ناپاک رکھنا
بڑی گستاخی اور بے ادبی سمجھی جاتی ہے۔ مشرقی قومیں طہارت جسمانی او طہارت روحانی
کے توام ہونے کا خیال رکھتی ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بہت کچھ
تاکید طہارت ظاہری کی فرمائی ہے۔ مسلمانوں کے ہاں تو مسجدوں کے ساتھ طہارت جسمانی
کا سامان تیار رہتا ہے جس سے نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔ اکثر مسجدوں میں سقاوے
حوض۔ حمام۔ غسلخانے ہوتے ہیں۔ جس سے جسمانی طہارت کے واسطے ان کو بہت آسانی
ہوتی ہے +　　عورتوں مردوں بچوں کی بہبودی صفائی کی توجہ پر

مخصوص آتی جو نہایت اور خفیف ابتداء نظر میں معلوم ہوتی ہیں اگر توجہ نہ کی جائے تو جسمانی اور روحانی آرام آدمی کو میسر نہیں ہوتا۔ مثلاً بچوں کا جسمانی آرام ان کے کھلانے دھلانے و نہلانے پر موقوف ہی۔ جو چیز نہایت خفیف سے خفیف معلوم ہوتی ہی وہ نہایت بکار آمد اور ضروری ہوتی ہی۔ بچے کو درست طور کھلاؤ پلاؤ نہیں تو وہ ضعیف اور بیمار رہیگا۔ اور یہی حال اُس کا بڑے ہونے پر رہیگا۔ جیسا بچہ ہوتا ہے ویسا ہی بڑا ہوتا ہے۔ جوانوں اور بڈھوں کو بھی آرام اور چین نہیں حاصل ہوتا جبتک وہ ان خفیف باتوں پر توجہ نہ کریں۔ ہر شخص آرزو مند ہی کہ میں اپنے گھر میں چین اور آرام سے رہوں۔ اور یہ چین اور آرام اسکو نہیں حاصل ہو سکتا جبتک یہ سب باتیں جمع نہ ہوں۔ صفائی۔ کفایت شعاری محنت۔ کاموں کو باضابطہ و باقاعدہ کرنا۔ یہ کیسی خفیف باتیں ہیں کہ روٹی سالن۔ دال کا پکانا۔ کپڑوں کا سینا اور ان میں پیوند پارچہ لگانا۔ ازار بندوں کا بنانا۔ جالیوں کا کاڑھنا۔ بچھونے و فرش کو صاف رکھنا۔ بچوں کو کپڑے پہنانا۔ مگر جبتک عورت کو یہ باتیں نہ آئیں وہ ہرگز اس قابل نہیں ہوتی کہ گھر کا اہتمام اُس کو سپرد کیا جائے۔ ہم جو یہ دیکھتے ہیں کہ ایک عورت اپنے سارے گھر کا انتظام زیادہ خوش اسلوبی سے بہ نسبت دوسرے کے کر رہی ہے ایک پھولی پھلی ہی دوسری بیٹا بھری ہے۔ دونو کے مکانات ایک ہی طرح کے ہیں۔ مگر ایک میں بچے تازہ توانا تندرست ہیں دوسرے میں دُبلے پتلے بیمار زرد۔ ایک میں کام نہایت آسانی سے ہوتا ہے۔ دوسرے میں نہایت محنت ہوتا ہی سے۔ یہ باتیں کچھ بخت و اتفاق سے نہیں پیدا ہوئیں بلکہ ان قاعدوں کے برتاؤ سے پیدا ہوئی ہیں جنکو ان دانشمندوں نے ایجاد کیا ہے کہ استعداد خداداد رکھتے تھے اور فقط تجربہ نہایت صبر و تحمل و تامل سے مشاہدہ کرکے ان قواعد کا استنباط کرتے تھے۔

گھر کی خوش انتظامی عورتوں کی تعلیم پر موقوف ہے۔ جسکا رواج ہمارے ملک میں خاطر خواہ نہیں عورتوں کی بڑی تعلیم یہ سمجھی جاتی ہی کہ کچھ لکھنا پڑھنا ان کو آجائے۔ مگر گھر کی خوش انتظامی کے لئے ان کو وہ تعلیم ہونی چاہئے کہ جس سے وہ ان تمام کلیوں سے قوانین فطرت کے موافق آگاہ ہو جائیں جن کی ضرورت گھر میں پڑتی ہے منزل

اگر وہ جسم حیوانی کی ترکیب سے قوانین فطرت کے موافق واقف ہوگئیں تو وہ اپنے بچوں کو نہایت اچھی طرح پرورش کرینگے اور ان کی صحت کی حفاظت بخوبی کرینگی اور جتنے بچے اب انکی لاعلمی کے سبب سے مرتے ہیں نہیں مرینگے۔ اگر ان کو بحث طعام کا علم ہوگا تو گھر میں کھانے نہایت لذیذ پکینگے۔ اور وہ تندرست و توانا رہیں گے۔ اگر ان کو علم حساب آتا ہوگا تو آمد و خرچ پر ان کی نظر ہوگی اور ایک کوڑی بھی فضول نہ خرچ ہوگی۔ ایسا ہی اور کاموں کا حال ہے۔ جس قوم کی عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہوں خواہ اُن کے مرد کیسے ہی لائق اور قابل ہوں تو دُنیا کے کاموں کے رزمگاہ میں اُن کو ایک ہاتھ سے لڑنا پڑتا ہے جب تک ہماری عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہوں تب تک ہم کو معاملات ملکی کے اندر مداخلت کے جھگڑنا ہماری قومی ترقی نہیں کریگا۔

ہمارے ملک میں مرد عورتوں کے علم و ہنر و عقل کے قدرشناس ایسے نہیں ہیں جیسی کہ صورت و شکل کے۔ وہ یہ جانتے ہی نہیں کہ جہالت و حماقت کی بیخ کنی گھر سے عورت کی عقل کرتی ہے مرد خانہ داری کے کارخانوں کو سمجھتے نہیں ان کو زیادہ تر تلاش یہ رہتی ہے کہ کوئی بیوی نازک اندام گل فام ملجائے خواہ کیسی ہی جاہل پھوہڑ ہو۔ جاہل مرد تو جاہل عورتوں سے شادی کر لیتے ہیں اس لئے اُن کی اولاد میں جہالت نسل بعد نسل چلی جاتی ہے۔ نہ ماں میں نہ باپ میں بچوں کی تہذیب و تعلیم کی لیاقت ہوتی ہے۔ جو خود تعلیم یافتہ ہوتے ہیں وہ وہ خوب صورت عورتوں سے شادی کرنی چاہتے ہیں۔ کوئی عورت خواہ کیسی ہی عقل و علم و ہنر رکھتی ہو۔ مگر شکل اچھی نہ ہو تو اس سے شادی کرنا پسند نہیں کرتے ہیں۔ غرض ہمارے ملک میں ماں کی طرف سے اولاد کو کوئی تہذیب و تعلیم کا حصہ نہیں ملتا۔ یہاں کے آدمیوں کی یہ رائے مہذب ملکوں کی طرح نہیں ہے کہ مرد عورتوں کے لیول (ہمواری) سے باہر نہیں نکل سکتے۔ جو عورتوں کا حال ہوتا ہے وہی قوم کا حال ہوتا ہے۔ عورتوں کی تہذیب و شائستگی معیار قوم کی تہذیب و شائستگی کی ہے۔ ہماری عورتوں کو سوا بچے

جتنے اور چپاتیاں پکانے کے کچھ اور نہ بن آتا۔ غرض اگر ہم اپنے گھر کا انتظام چاہیں تو عورتوں کی تعلیم و تہذیب کو مقدم جانیں ؏

باب ۱۱ یازدہم

زندگی بسر کرنے کا فن

یہاں ایک انگریزی لفظ آرٹ کا ترجمہ میں نے فن کیا ہے اس سے مراد اس ہنر سے ہے جو خیالی باتوں کو تعبیر کرے۔ یا مجسم صورت میں دکھاوے اس کا موضوع عمل ہے آگے اسکی تفصیل آئیگی۔

(۱) کسی شخص کو خواہ اسکی عمر کچھ ہی ہو۔ شرافت نسب کے سبب سے شریف نہ جانو۔ بلکہ جس شخص کے افعال اور اعمال شریفانہ ہوں۔ اس کو اشراف سمجھو گو وہ عالی نسب نہ ہو۔

(۲) ہر شخص اپنے عمل کا فرزند ہوتا ہے

(۳) کسی نیک نہاد کی خدمت کرو گو وہ غریب ہی کیوں نہ ہو۔ ایک وقت ایسا آئیگا کہ وہ تمہاری خدمت کا معاوضہ ادا کر دیگا۔

(۴) آدمیوں کے ذمہ یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ اپنی عجز و ناتوانی سے آگاہ نہیں مگر شائد وہ اپنی قوت و توانائی سے واقف نہیں آدمی کا حال زمین کا سا ہے کہ بعض اوقات اس میں سونے کے ذرات موجود ہوتے ہیں مگر مالک زمین اس بات کو نہیں جانتا۔

(۵) جو چیز ہم حاصل نہیں کر سکتے اس کے حاصل کرنے کے قصد سے ہم اپنے دل کو پژمردہ کرتے ہیں۔

زندگی بسر کرنے کا فن ایسا ہے جیسا کہ شاعری کا۔ مصوری کا۔ موسیقی کا فن علم ادب کی طرح وہ بھی آدمی کی انسانیت میں داخل ہے۔ یہ زندگی بسر کرنے کا فن وہ ہے کہ جسکے ذریعہ سے ہم زندگی بسر کرنے کے وسائل کو نہایت عمدہ بنا سکتے اور بہتر کر سکتے ہیں

اور نتائج اعظم پر پہنچ سکتے ہیں۔ خوشدلی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لئے کچھ علم ضرور اس فن کی نہیں ہے۔ فنون شاعری اور مصوری کی طرح اسکا ماخذ بھی نیچر (فطرت) ہے۔ اسکو سب حاصل اور منکشف کر سکتے ہیں اول اسکو مربی و معلم سکھاتے ہیں پھر اس کی تکمیل اپنے آپ تعلیم کرنے سے ہو جاتی ہے۔ فرزانگی بغیر یہ فن نہیں آسکتا۔ خوش دلی کوئی ایسا بیش بہا خوبصورت کم یاب جوہر عظیم نہیں ہے کہ جسکی تلاش عبث ہو اور اُس کے ملنے سے یاس کلی ہو۔ بلکہ وہ تو بکثرت چھوٹے چھوٹے جواہر کی ننھے ننھے دانوں کی لڑیاں ہیں جو مسلسل ہونے سے نہایت خوبصورت اور خوشنما ہو جاتی ہیں ایک معمولی زندگی میں جو چھوٹی چھوٹی خوشیاں بکثرت پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ انسی خوشدلی حاصل ہوتی ہے مگر ان کی طرف جو التفات کم ہوتا ہے۔ اسکا سبب یہ ہوتا ہے کہ ہم کسی مسرت عظیم کے حاصل کرنے کی امید میں سرتاپا مصروف ہوتے ہیں معمولی فرائض کو پوری ایمانداری اور عزت کے ساتھ ادا کرنے سے ہم کو مسرت و انبساط دلی حاصل ہوتی ہے۔ انسان اصل حقیقت میں جسطرح زندگی بسر کرتا ہے اسمیں اس فن کی بہت سی مثالیں بھری پڑی ہیں۔ مثلاً فرض کرو کہ دو آدمی ایک سی وسائل رکھتے ہیں۔ ان میں ایک تو اس فن سے ماہر ہے دوسرا ناواقف اب پہلے آدمی کا حال تو یہ ہوگا کہ اس کے چشم سر میں بصارت اور چشم دل میں بصیرت ہوگی اسکو ہر روز نیچر (مخلوق) جدید و حسین نظر آئیگی۔ وہ زمانہ حال میں زمانہ گذشتہ کی تجویز ثانی کریگا۔ اور زمانہ آیندہ کی شان کو پہلے سے سوچے گا۔ وہ زندگی کو پیرانہ سالی جانے گا۔ مہمل نہ سمجھیگا اور اپنے فرائض کو ادا کرکے خوش دل رہیگا وہ اپنی ترقی کریگا اور کمتر جماعتوں کو بہتر و برتر بنانے میں ساعی ہوگا۔ ہر نیک کام کرنے کے لئے سبک و چالاک ہوگا۔ نہ کبھی اُس کے ہاتھ تھکینگے۔ نہ کبھی دل درماندہ ہوگا۔ وہ اپنے کاموں کو خوشی سے کریگا۔ اور غیروں کے خوش رہنے کے لئے مدد کریگا۔ روز بروز اُسکی فرزانگی وسیع ہوتی جائیگی۔ اور اس سبب سے روز اشیا اور آدمیوں کی تہ پر پہنچنے کے لئے اسکی نئی بصارت حاصل ہوگی۔ وہ اپنی زندگی نہایت عزت و حرمت کے ساتھ بسر کریگا اور جو اُس نے نیک کام کئے ہیں وہ اُس کے یادگار رہیں گے اور وہ ایک فیض رساں

مثال اور خلق کے لئے بنے گا۔

اب دوسرے آدمی کا حال سُنئے کہ وہ پہلے آدمی کی نسبت کم خوش رہیگا۔ ہنوز وہ حد بلوغ کو نہ پہنچے گا کہ اُسکی بہت سی خوشیوں کا خاتمہ ہو جائیگا۔ دولت کے اختیار میں جو کچھ اس کے ساتھ کرنا تھا وہ کر چکی۔ اب وہ اپنی زندگی کو ناخوش اور پوچ دیکھیگا۔ سیاحی سے اُس کا کچھ بھلا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ تاریخ کے معنے اُس کے نزدیک کچھ نہیں اور سیاحی میں تو جب مزہ آتا ہے کہ تاریخ کا مذاق ہو۔

اس سیاحی میں وہ اور زحمت سفر سے رنجیدہ ہوگا۔ مرقعات۔ تصویر کو وہ اس سبب سے دیکھیگا کہ اور لوگ دیکھتے ہیں۔ ورنہ اُس کے نزدیک تصویر خانہ اور سور خانہ۔ دونو برابر ہیں۔ غرض اس قسم کی خوشیاں اُسے نہیں حاصل ہونگیں جب بڑھاپا آئیگا تو اور دل منتشر اور پریشان ہوگا۔ کسی چیز میں اُس کو مزہ ولطف نہ آئیگا۔ زندگی ایک نقاب ہوگی۔ جسکے اندر سوائے شریروں۔ ریاکاروں۔ خوشامدیوں کے کسی کو نہیں پہچانے گا۔ اگرچہ وہ اپنی زیست سے خوش نہ ہوگا۔ مگر اس کے چھوڑنے سے بھی اُس کو بڑا خوف لگے گا۔ پھر یہ وہ پڑ جائیگا۔ وہ اپنی ساری دولت سے ناکام رہا۔ جسکی وجہ یہ بھی کہ وہ زندگی بسر کرنے کے فن سے آگاہ نہیں تھا جسکے بغیر زندگی سے خوشی وخرمی نہیں حاصل ہو سکتی۔

زندگی میں سچا لطف ومزہ دولت سے نہیں پیدا ہوتا بلکہ تامل وغور۔ قدردانی مذاق تعلیم وتربیت سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر ان سب کے سوا آنکھ مبصر اور دل متاثر چاہئے۔ یہ باتیں ایک غریب سے غریب گروہ کو متبرک وسعادتمند وفرخندہ حال بنا دیتی ہیں اعلیٰ درجہ کے خیالات ونفیس مذاق محنت ومشقت سے پیدا ہو سکتی ہیں جسکے سبب سے مزدوروں کا گروہ بہتر وبرتر ہو سکتا ہی۔ ایک عاقل عالم کا قول ہی کہ کل فلسفہ اخلاق جب اعلیٰ درجہ کی زندگی میں برتا جا سکتا ہے ایسا ہی ادنےٰ درجہ کی زندگی میں خواہ وہ گنواروں کی ہو یا کسی خاص ورشخص کی۔ ہر شخص میں انسانیت کی حالت موجود ہوتی ہے۔

اچھا مذاق عجیب چیز ہے وہ جسمانی آرام اور آسائشوں کا اصلی منتظم ہوتا ہی اور خوشی کی

پڑھا ہی ہے۔ جب تم کسی دوست سے ملاقات کرنے جاؤ تو دروازہ میں قدم رکھتے ہی
یہ علم تم کو ہو جائیگا کہ مالک خانہ صاحب مذاق ہے یا نہیں اگر صاحب مذاق ہوگا تو ساری
چیزیں ستھری اُجلی قرینہ و ترتیب سے رکھی ہوئی ہونگی۔ کہیں پھول کے گملے رکھے
دیواروں پر تصویریں آویزاں ہونگی۔ نغمہ سرا پرندوں کا پنجرا لٹکتا ہوگا۔ کتابیں
رکھی ہونگی۔ معمولی اسباب خانہ گو بیش بہا نہ ہوگا۔ مگر بہت خوشنمائی کے ساتھ رکھا ہوگا
غرض اس سے دل میں وہ خوشی پیدا ہوگی جو بیان نہیں ہو سکتی۔ اسکی خانہ داری کے
ہر کام میں زندگی بسر کرنے کا فن اپنے تئیں دکھاتا ہے۔ مثلاً خوراک ہی لو وہ اول
زود ہضم غذا انتخاب کریگا پھر اُسکو مزہ دار تیار کریگا۔ اسمیں کسی طرح کا اسراف
نہ ہونے پائیگا۔ ارزانی کا خیال رکھیگا۔ پانی ایسا صاف رکھے گا کہ وہ پاکیزہ برتنوں
میں موتی سا چمکتا ہوگا۔ جسکے آگے شربت پینے کو جی نہ چاہے گا۔

اب دوسرے گھر میں جائیے جہاں یہ فن اپنا کام نہیں کرتا۔ وہاں اسراف بیجا ہوگا۔
مگر کسی چیز میں لطف و مزہ و سلیقہ نہ ہوگا۔ خرچ بہت کچھ ہوگا مگر آرام نہ ہوگا۔ سارا گھر
تکلیفوں سے بھرا ہوگا۔ کتابیں بکھری پڑی ہونگی۔ کپڑے۔ ٹوپیاں۔ شال دوشالے
اِدھر اُدھر تتر بتر پڑے ہونگے۔ کرسی۔ مونڈھوں پر اسباب لدا ہوگا۔ دالانوں۔
کمروں میں گرد دو دو چار چار انگل جمی ہوگی۔ روپیہ خواہ کتنا ہی خرچ ہو جائے۔
مگر کوئی چیز درست نہیں ہوگی۔ اسکا سبب یہی ہوتا ہے کہ مالک خانہ اس فن سے ماہر
نہیں ہوتا۔ دیہات میں گنواروں کے گھروں کو دیکھو تو ان میں یہ فرق پاؤ گے کہ ایک
گنوار ایسی کشادہ جگہ تلاش کرکے مکان بناتا ہے جہاں صحت خوب رہے۔ تازی
ہوا کی آمد و رفت رہے۔ اس کے گھر میں کوڑے کرکٹ کا نام نہیں ہوتا۔ اپنا غریبانہ
اسباب ستھرا اُجلا قرینہ سے رکھا ہوتا ہے۔ غرض وہ اس فن کو جانتا ہے اس لئے
کہ ہر چیز میں سلیقہ جھگھڑا پایا جاتا ہے۔ اب اسکے برخلاف دوسرے گنوار کے گھر
کو دیکھیے تو ساری چیزیں پہلے گھر کے ضد پائیگا۔ بچے موریوں پر کھیل رہے ہیں۔
مرغیاں اور کتے چارپائیوں پر پھر رہی ہیں کوڑے کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں دو آدمی

باب یازدہم — گھر میں رہنا۔

ایک ہی کھیت میں یا ایک دکان میں یا ایک کارخانہ میں کام کرتے ہیں ان میں ایک تو ہمیشہ ہشاش بشاش رہتا ہے۔ پوشاک نفیس پہنتا ہے۔ سارے کام اس کے سلیقہ سے ہوتے ہیں نماز پڑھنے کے لئے اچھی پوشاک پہن کر جاتا ہے۔ کچھ روپیہ بھی جمع رکھتا ہے۔ بچوں کی تعلیم میں بھی خرچ کرنے کا مقدور رکھتا ہے۔ دوسرے آدمی کی حالت اس کے برخلاف ہوتی ہے کہ غمگین اور مصیبت زدہ معلوم ہوتا ہے۔ کپڑے میلے کچیلے پھٹے پرانے پہنتا ہے۔ کبھی گھر سے باہر نکل کر کسی جگہ جا کر نہیں بیٹھتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو یہ فن آتا ہے کہ وہ اپنی زندگی سے مسرت و راحت دلی حاصل کرنی جانتا ہے اور اپنے تئیں خوش دل رکھنا اور اوروں کو خوش دل کرنا اسے آتا ہے۔ جو شخص اسے نہیں جانتا ہے تو وہ خود خوش رہے نہ کسی کو خوش رکھے۔ آپ بھی جلے اور اوروں کو بھی جلائے۔ لوگ بھلے آدمی سے محبت کرتے ہیں اس کی عزت کرتے ہیں دوسرے آدمی سے نفرت رکھتے ہیں اور اس کو ذلیل جانتے ہیں۔ ان دلائل کی وجہ سے ہر شخص کو خواہ وہ کیسا ہی غریب ہو اس فن کو سیکھنا چاہئے جس کے سبب سے زندگی میں بہت کچھ مسرت اور برکت حاصل ہوگی۔ دنیا کو ہمارے آنسوؤں کے نالے کی ضرورت نہیں ہے ہم خود ہی اس کو بہاتے ہیں ہم کو اپنی قسمت پر بہت کچھ اختیار اور حکومت حاصل ہے۔ کل واقعات میں ہم کو اپنے دل پر اختیار ہوتا ہے کہ اپنی طبیعتوں اور مزاجوں کی روک تھام کر کے مسرت ناک خیالات کریں تربیت و تعلیم سے ہم اپنی طبیعت کے نیک حصہ کو کام میں لا سکتے ہیں جو اکثر آدمیوں کے اندر وہ بڑے گہرے نیند میں پڑا سویا کرتا ہے۔ اچھی کتابیں پڑھ کر نیک خیالات پیدا کریں اور امن و امان خیر و عافیت کے ساتھ اس طرح زندگی بسر کریں کہ بھلے مانس ہماری تعظیم و تکریم کریں ہمیشہ ہماری راستبازی کی مثال ہمارے جانشینوں کو نفع و برکتیں پہنچایا کریں۔ اس تیاری کا ظہور نہایت عمدہ طور سے گھروں میں ہوا کرتا ہے۔ مسرت ناک گھر کے لئے ضروری ہے کہ نیک اثروں کو بد اثروں پر غلبہ ہوتا ہے اوّل شرط یہ ہے کہ انہیں کچھ حصہ ہو